ابنِ صفی

جلد نمبر
41

جاسوسی دنیا

121- شکاری پرچھائیاں

122- پرچھائیوں کے حملے

123- سائیوں کا ٹکراؤ

124- ہمزاد کا مسکن

جاسوسی دنیا نمبر 123

سائیوں کا ٹکراؤ

(تیسرا حصہ)

پیشرس

عمران پسند مجھ سے خفا ہیں کہ آخر فریدی کے سلسلہ وار ناول کیوں شروع کر دیئے گئے۔ دیکھیے آخر فریدی پسندوں کا بھی تو کچھ حق ہے مجھ پر۔ اُن کی فرمائش کی تکمیل کون کرے گا۔ ''سایوں کا ٹکراؤ'' ملاحظہ فرمایئے اور انشاء اللہ اگلے ناول (خاص نمبر) میں اس کہانی کا اختتام ہو جائے گا اور پھر آپ عمران سے بھی مل سکیں گے۔ جاسوسی دنیا کا یہ سلسلہ میری توقعات سے بڑھ کر پسند کیا جا رہا ہے۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ کتابیں کسی قدر دیر سے شائع ہو رہی ہیں جس کی وجہ..... اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ میرا قلم ہی تیزی سے نہ چل رہا ہو۔ آج کل لکھنے کے معاملے میں موڈ کا پابند ہو کر رہ گیا ہوں۔ پہلے مشین کی طرح چلتا رہتا تھا۔ اب بھی چلتا ہوں اگر آسمان پر بادل نہ ہوں۔ بادل آئے اور میں گھٹن کا شکار ہوا۔ کراچی کے بادل کم از کم میرے لئے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ موڈ بے حد خراب کر دیتے ہیں کیونکہ کراچی کے بادلوں کا حملہ براہِ راست معدے پر ہوتا ہے۔ یہ لاہور کے بادلوں سے مختلف ہیں جو دل میں گدگدیاں پیدا کرتے ہیں۔ لاہور کے بادل اس لئے یاد آئے کہ کتاب لیٹ ہونے پر میری زیادہ تر خبر لاہور ہی والے لیتے ہیں۔

بہر حال سایوں کا ٹکراؤ ملاحظہ فرمایئے اور مطمئن رہئے کہ خاص نمبر یعنی اس سلسلے کا آخری ناول بے حد زور دار ہوگا۔ لیکن اس وقت جب یہ سطور لکھ رہا ہوں کراچی پر بادل چھائے ہوئے ہیں۔ دُعا کیجئے کہ وعدہ پورا کرنے کے قابل رہ سکوں۔

وقت وقت کی بات ہے کبھی یہی بادل سرخوشی اور سرشاری لایا کرتے تھے، اب گیسٹرک ٹروبل میں مبتلا کرتے ہیں۔

آج کل ملک میں بلڈ پریشر کا ہفتہ منایا جارہا ہے۔ ریڈیو پر روزانہ بلڈ پریشر سے متعلق تقریریں ہوتی ہیں۔ جسے دیکھئے ریڈیو کھولے بیٹھا بڑے انہاک سے سن رہا ہے اور ان تقریروں کو سن کر مجھے ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ شاید میں بھی کسی قدر اس کا شکار ہوں۔ محترم شفیق الرحمان نے کہیں لکھا تھا کہ بلڈ پریشر صرف انہیں ہوتا ہے جو یہ جانتے ہیں کہ بلڈ پریشر کیا چیز ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس ہفتے کے اختتام پر کم از کم کراچی کا بچہ بچہ بلڈ پریشر میں مبتلا نظر آئے گا۔ بھائی منانا ہی تھا تو ''ہفتہ حسن'' یا ''ہفتہ خوش لباسی'' منایا ہوتا۔ ویسے میں کراچی کے وہمیوں کو اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ جہاں دن میں دس بار دس طرح کی ہوائیں چلتی ہوں وہاں خون کی روانی میں اُتار چڑھاؤ پیدا ہوتے رہنا کوئی غیر معمولی بات نہیں۔ لہٰذا اس طرح سڑکوں پر اپنی نبضیں ٹٹولتے ہوئے نہ چلئے۔ آپ ویسے بھی بہت کم پیدل چلتے ہیں۔ اس لئے گیسز کے دباؤ میں مبتلا رہتے ہیں۔ گیسٹرکس کا علاج کیجئے۔ خود پر بلڈ پریشر کا ہوا سوار کرنے کی ضرورت نہیں۔ صبح اُٹھ کر ہلکی پھلکی ورزش بھی کرلیا کیجئے۔ اللہ اللہ خیر صلا۔

اتنا لکھ لینے کے بعد سوچ رہا ہوں کہ آخر میں نے یہ کیا شروع کردیا۔ ابتداء سے انتہا تک آپ کو اپنے موڈ اور وہموں کے بارے میں بور کرتا رہا۔ گویا واقعی میں نے بھی اس ''ہفتے'' کی تقریروں سے اثر قبول کیا ہے۔

ایک بار پھر عرض کردوں کہ اس سلسلے میں میرے مخاطب صرف کراچی کے باشندے ہیں۔ جہاں ہر تیسرا آدمی گیسٹرکس کا مریض ہے۔ اس لئے ہر تیسرا آدمی اس وہم میں مبتلا ہوسکتا ہے کہ وہ حقیقتاً بلڈ پریشر کا مریض ہے۔ لہٰذا معدے کو درست رکھنے کی کوشش کیجئے آپ کی نبض معمول کے مطابق چلتی رہے گی۔

لاحول ولاقوۃ.....پھر وہی! قلم مانتا ہی نہیں......اے بلڈ پریشر کے ہفتے!

والسلام

ابن صفی

۷۳/۰۲/۱۹

کیپٹن حمید ٹرانسمیٹر پر بھی کرنل سے رابطہ قائم نہیں کر سکا تھا۔ دو دن سے برابر کراؤن کے سیٹ سے سگنل دے رہا تھا لیکن جواب نہیں ملتا تھا۔ اس کی طرف سے کوئی ہدایت نہ ملنے کی بناء پر اس نے اپنے محکمے کے ڈی آئی جی سے بھی رابطہ منقطع کرلیا۔ آخر اُسے کیا جواب دیتا کیونکہ وہ تو اس پر مُصر تھا کہ کہیں وہ حیرت انگیز پر چھائیاں شہر ہی کو جہنم کا نمونہ بنا کر نہ رکھ دیں۔ لیکن ابھی تک یہ معاملہ فریدی کی کوٹھی کے ایک مخصوص حصے سے آگے نہیں بڑھا تھا اور اس وقوعے سے متعلق شہر میں بھانت بھانت کی چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ ویسے حقیقت کا علم اُس کے محکمے کے ڈی آئی جی کے علاوہ اور کسی کو بھی نہیں تھا اور گھر کے ملازموں کی زبانیں خود حمید نے بند کر دی تھیں۔

بہرحال اب سوال تھا کہ وہ خود کیا کرے۔ کب تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے گا۔ اس سلسلے میں صرف ایک ہی ایسی ہستی نظروں کے سامنے تھی جس کے خلاف خود فریدی نے بھی شبہ ظاہر کیا تھا اور یہ تھی تجرباتی پولٹری فارم کی لیبارٹری انچارج جوڈی اسمارٹ اور خوش شکل بھی تھی۔ لہٰذا اس کی کڑی نگرانی کی راہ میں کوئی شے بھی حائل نہیں ہوسکتی تھی اس نے بڑے خلوص سے اس کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔ میک اپ میں تھا اس لئے بہت زیادہ احتیاط کرنے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ دوسری طرف اس چکر میں تھا کہ ہوٹل ڈی فرانس کی اُس راہداری میں اُسے بھی کوئی کمرہ مل جائے جس میں جوڈی کا کمرہ تھا۔ یہ خواہش بھی آج ہی پوری ہوگئی تھی۔ اس طرح آرام سے راتیں گزارنے کا بھی انتظام ہوگیا تھا۔ ایک ترک سیاح کی حیثیت سے یہ کمرہ حاصل کیا تھا اور رجسٹر میں عدنان خلیلی نام درج کرایا تھا۔ پھر کمرے

میں مقیم ہو جانے کے بعد معلوم ہوا کہ اس راہداری میں تنہا وہی نہیں ہے، جسے جوڈی سے دلچسپی ہوسکتی ہے۔ ایک فرد اور بھی تھا اور جوڈی کے برابر والے کمرے میں مقیم تھا۔ حمید اس کی قومیت کا اندازہ نہیں لگا پایا تھا۔ لیکن تھا سفید فام، عمر تیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ مضبوط جسم والا معلوم ہوتا تھا۔ آنکھوں سے بھی خاصی توانائی جھلکتی تھی۔ حمید نے کمرہ نمبر کے حوالے سے ہوٹل کے رجسٹر میں اس کا نام دیکھنے کی کوشش کی تھی لیکن کامیاب نہیں ہوا تھا۔

اُسی شام کو جب وہ اپنے کمرے سے برآمد ہوکر کہیں جانے لگی تو حمید نے اُس کے پڑوسی کو بھی کمرے سے نکلتے دیکھا۔ لیکن وہ جلدی میں نہیں معلوم ہوتا تھا۔ انداز سے ایسا لگتا تھا جیسے اُسے علم ہو کہ وہ کہاں جارہی ہے۔

ڈائننگ ہال میں پہنچ کر اس نے کمرے کی کنجی کاؤنٹر کلرک کے حوالے کی اور باہر نکلی چلی گئی۔ دوسرے آدمی کو بھی اس مرحلے سے گزرنا پڑا۔ پھر حمید کی باری آئی۔ اتنی دیر میں وہ دونوں ہی ڈائننگ ہال سے جاچکے تھے۔ حمید باہر نکلا تو ان دونوں میں سے کوئی بھی نظر نہ آیا۔ تیزی سے ٹیکسیوں کے اڈے کی طرف بڑھا۔

جوڈی تو کہیں نہ دکھائی دی البتہ اس کا پڑوسی ایک ٹیکسی میں بیٹھا ہوا نظر آیا۔ حمید نے اس ٹیکسی کے نمبر ذہن نشین کر لئے اور جیسے ہی ٹیکسی اڈے سے نکل کر سڑک پر مشرق کی جانب مڑی حمید بھی ایک ٹیکسی تک جا پہنچا۔

''اس گاڑی کا پیچھے چالو۔'' حمید نے اُسی ٹیکسی کی طرف اشارہ کر کے ڈرائیور سے کہا۔

''آؤ صاحب۔'' ڈرائیور نے جھپٹ کر دروازہ کھولا اور حمید کے بیٹھتے ہی گاڑی کو سڑک پر نکال لانے میں حیرت انگیز پھرتی دکھائی۔ کچھ دور چل کر اُس نے حمید سے انگلش میں سوال کیا کہ وہ کس ملک کا باشندہ ہے۔

''میں ترک ہوں۔'' حمید نے جواب دیا۔

''میں گائیڈ کے فرائض بھی انجام دے سکتا ہوں۔''

''یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔''

''عام طور پر میری گاڑی دن بھر کے لئے بک ہوتی ہے، کل کے لئے ابھی تک کسی سے بات نہیں ہوئی۔ اگر آپ چاہیں تو میری خدمات حاصل کر سکتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''کل ہی کیوں! اسی وقت سے کل تک کے لئے سمجھ لو۔''

''شکریہ جناب......ترک بھائیوں کے لئے تو جان بھی حاضر ہے۔''

''یہی میں تمہارے لئے بھی کہہ سکتا ہوں۔'' حمید ہنس کر بولا۔

تھوڑی ہی دیر بعد حمید نے اندازہ لگالیا کہ اگلی ٹیکسی ساحل کی طرف جارہی ہے۔ وہ خاموش بیٹھا رہا۔ ڈرائیور خاصا ہوشیار معلوم ہوتا تھا۔ مناسب فاصلے سے ٹیکسی کا تعاقب جاری رکھا۔

''آپ کب تشریف لائے ہیں۔'' ڈرائیور نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

''آج ہی آیا ہوں۔''

''پھر آپ مطمئن رہئے۔ میں آپ کو یہاں کے سارے قابل دید مقامات دکھا دوں گا۔ اوہ......کیا بس......اُس گاڑی کے پیچھے چلتے رہنا ہے۔''

''ہاں......فی الحال۔''

شاید ڈرائیور کو کسی قسم کا شبہ ہوگیا تھا۔ حمید نے اس کے لہجے سے یہی محسوس کیا تھا۔

کچھ دیر بعد ڈرائیور بولا۔ ''اُوہ جناب میں معافی چاہتا ہوں۔''

''کس بات کی۔''

''کل میں مصروف رہوں گا۔ مجھے یاد ہی نہیں تھا۔ میرے ایک عزیز کی شادی ہے۔''

''کوئی بات نہیں! پھر سہی۔ میں یہاں کئی دن قیام کروں گا۔''

اگلی ٹیکسی سی سائیڈ ہیون کے قریب رک گئی اور ڈرائیور نے حمید سے پوچھا۔

''روکوں جناب۔''

''یہاں نہیں......کچھ دور آگے چلو۔''

غالباً ایک فرلانگ آگے اُس نے ٹیکسی رکوائی کرایہ ادا کیا اور اُس وقت تک وہیں کھڑا رہا جب تک کہ ٹیکسی اڈے کی طرف نہیں چلی گئی۔

اب وہ ٹہلتا ہوا سی سائیڈ ہیون کی طرف جارہا تھا۔ یہاں لان پر میزیں لگائی جاتی تھیں۔ درختوں پر روشنی کے قمقمے لٹکائے جاتے تھے اور کئی لاؤڈ سپیکرز سے ہلکی موسیقی نشر ہوتی رہتی تھی۔ میزوں پر سی فوڈ، کوک اور کافی سرو کی جاتی تھی۔

حمید نے جوڈی کو اپنے پڑوسی کے ساتھ ایک میز کے گرد بیٹھے دیکھا۔ دونوں کسی بحث میں اُلجھے نظر آرہے تھے۔

اس نے ان کے عقب والی میز سنبھال لی۔ جوڈی اپنے پڑوسی سے کہہ رہی تھی۔

''بہرحال تم نے مجھے بڑی پریشانی میں مبتلا کردیا ہے۔ آخر یہ سب کیا ہے۔ اگر میں یہ جانتی کہ اس معاملے کا پولیس سے بھی کوئی تعلق ہے تو میں ہرگز تمہاری بات نہ مانتی۔''

''دیکھو ڈارلنگ....!'' پڑوسی بولا۔ ''اس مسئلے پر زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''اچھا تو یہی بتادو کہ معاملہ کیا ہے۔''

''کوئی خاص بات نہیں۔ بس چند افراد کو زچ کرنا ہے۔''

''اور پولیس بھی ان میں شامل ہے۔''

''پتا نہیں پولیس کہاں سے آ کودی۔ میں تو نہیں سمجھ سکتا۔''

''اچھا تو یہی بتادو کہ اجنبیوں کی طرح میرے پڑوس میں کیوں رہتے ہو اور ہمیں ملاقات کے لئے اتنی دور کیوں آنا پڑتا ہے۔''

''سب ٹھیک ہوجائے گا۔ تم کیوں فکرمند ہوتی ہو اور پھر اگر تم اس مذاق میں حصہ نہیں لینا چاہتی تھیں تو پہلے ہی انکار کردیا ہوتا۔ تمہیں اس اخباری خبر سے پہلے ہی اندازہ کرلینا چاہئے تھا کہ اس میں کہیں نہ کہیں پولیس سے ضرور دوچار ہونا پڑے گا۔''

''اس خبر کو بھی تم نے محض مذاق ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔''

''اوہ ختم بھی کرو۔ تمہیں کیا پریشانی ہے۔ وہ پولیس آفیسر تم سے صرف ایک ہی بار ملا تو تھا۔''

''سنو! میں نے جیرالڈ شاستری کے بارے میں معلومات حاصل کی ہیں۔ وہ دنیا کا ایک بہت بڑا مجرم تھا۔ اگر چاہتا تو کوئی ایک ملک فتح کرکے اُس پر اپنی حکومت قائم کرلیتا۔ آخر یہ شخص کون ہے جو اس سے اس قدر مشابہت رکھتا ہے۔''

''تمہاری ہی طرح میں بھی اس سے لاعلم ہوں۔''

''وہ لوگ کون ہیں جنہوں نے تمہیں اس پر آمادہ کیا تھا۔''

''تم خوامخواہ اس بحث میں اُلجھ رہی ہو۔ چلو اُٹھو ساحل پر ٹہلیں گے۔''

''نہیں پہلے تم مجھے مطمئن کرنے کی کوشش کرو۔ میری پوزیشن بہت خراب ہوگئی ہے

میں یہاں سرکاری ملازم ہوں۔''

''میں بھی ایک سرکاری پروجیکٹ پر کام کر رہا ہوں۔''

''اور وہ لوگ جنہوں نے تمہیں اس مذاق میں شامل کیا تھا ان کی کیا حیثیت ہے۔''

''وہ بھی...... میرا مطلب ہے۔'' وہ کچھ کہتے کہتے ایک دم جھنجھلا کر بولا۔ ''میں کہتا ہوں کہ اب اس موضوع پر گفتگو نہیں ہوگی۔''

''اچھا تو پھر یہ ہماری دوستی کی آخری شام ہے۔''

''خدا کی پناہ! تم باز نہیں آؤ گی۔ اچھا میں تمہیں سب کچھ سچ سچ بتا دوں گا۔''

''میں ابھی سننا چاہتی ہوں۔''

''لمبی کہانی ہے۔ اُٹھو ٹہلیں گے بھی اور قصہ بھی جاری رہے گا۔''

حمید نے محسوس کیا کہ جوڈی ہچکچا رہی ہے۔ لیکن اُسے اُٹھنا ہی پڑا تھا۔ دونوں ہی سی ہیون کے کمپاؤنڈ سے نکل گئے۔ حمید بھی اُٹھا۔

وہ ساحل کی طرف جا رہے تھے۔ حمید نے خاصے فاصلے سے تعاقب جاری رکھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہ آس پاس کی روشنیوں کی حدود سے نکل گئے اور اب دو تاریک سائے دھندلے آسمان کے پیش منظر میں ساحل پر چلے جا رہے تھے۔ حمید کسی غیر متعلق آدمی کے سے انداز میں ان کے پیچھے تھا۔ وہ چلتے رہے حتیٰ کہ ساحل پر چہل قدمی کرنے والوں سے بہت دور نکل آئے۔ حمید ان دونوں کی آوازیں صاف سن رہا تھا لیکن باتیں سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ پھر اچانک اس نے ایک سائے کو دوسرے پر جھپٹتے دیکھا اور جوڈی کی ہلکی سی چیخ سنی جو فوری طور پر گھٹ کر رہ گئی تھی۔ وہ اچھل کر اُن کی طرف دوڑا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے جوڈی کا ساتھی اس کا گلا گھونٹنے کی کوشش کر رہا ہو۔

حمید نے عقب سے خود اس کی گردن جکڑ کر داہنے گھٹنے سے کمر پر ضرب لگائی اور جوڈی اُس کی گرفت سے نکل گئی۔

جوڈی کا ساتھی پلٹ پڑنے کے لئے زور لگا رہا تھا۔ لیکن حمید کی گرفت سخت تھی۔ پھر اُس نے کسی قدر ترچھا ہو کر اُسے کمر پر لادا اور پٹخ دیا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ اس کے سینے پر سوار تھا۔ دو تین رگڑوں ہی میں اس نے گردن ڈال دی اور پھر بے حس و حرکت ہو گیا۔

حمید اُسے چھوڑ کر جوڑی کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ ریت پر اوندھی پڑی تھی۔ اُس نے اُسے سیدھا کیا اور وہ کراہنے لگی۔

''تم محفوظ ہو۔'' حمید نے بڑی نرمی سے کہا۔ ''خود کو سنبھالو۔''

وہ کراہتی ہوئی اُٹھ بیٹھی۔ دونوں ہاتھوں سے اپنی گردن ٹٹول رہی تھی۔

''میں نے اُسے مار گرایا تھا۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

''کک......کیا ہوا۔''

''وہ اُدھر پڑا ہوا ہے۔''

''مم...... مار ڈالا۔''

''نہیں بے ہوش ہو گیا ہے۔ تم کیا محسوس کر رہی ہو۔''

''ٹھیک ہوں۔ تم کون ہو۔''

''تم مجھے نہیں جانتیں۔ میں اتفاقاً ادھر نکل آیا تھا۔ کیا اُس نے تمہیں لوٹنے کی کوشش کی تھی۔''

''نن نہیں......میرا دوست ہے۔ نشے میں تھا۔''

''اتنے زیادہ نشے میں تو نہیں معلوم ہوتا تھا کہ تمہارا گلا گھونٹنے لگتا۔''

''کبھی کبھی سنک جاتا ہے۔''

''تب پھر اُسے پاگل خانے میں ہونا چاہئے۔''

''وہ نشے میں......!''

''اگر میں ذرا سی بھی دیر کرتا تو کہاں ہوتیں۔''

''اوہ......میرے خدا میں کیا کروں۔''

''کیا وہ بھی غیر ملکی ہی ہے۔''

''ہاں......میرا دوست ہے۔''

''اور دیدہ دانستہ تمہارا گلا گھونٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔''

''میں کچھ نہیں جانتی۔''

''کہاں قیام ہے۔''

''ہوٹل ڈی فرانس میں۔''

''اور یہ......!''

''میں نہیں جانتی۔''

''کیا ہوش میں آنے کے بعد پھر تم پر حملہ کرسکتا ہے۔''

''م......میں نہیں جانتی۔ براہِ کرم مجھے جانے دو۔''

''لیکن اس کا کیا ہوگا۔''

''میں نہیں جانتی۔ مجھے جانے دو۔''

''کیا خود میں اتنی توانائی پاتی ہو کہ ہوٹل ڈی فرانس تک تنہا چلی جاؤ۔''

''میں چلی جاؤں گی۔''

''اچھی بات ہے تو جاؤ۔''

''لل......لیکن اس کا کیا ہوگا۔'' وہ ہچکچاہٹ کے ساتھ بولی۔

''میں اسے پانی میں پھینک دوں گا۔''

''اوہ......نہیں۔''

''تو کیا پولیس کے حوالے کردوں۔''

''م......میں کچھ نہیں جانتی۔''

''اچھا تو پھر میری تجویز یہ ہے کہ اس کے ہوش میں آنے تک تم بھی یہیں ٹھہرو۔''

''میں جارہی ہوں۔''

''ایک منٹ! میرا نام عدنان خلیلی ہے اور میں تُرک ہوں۔''

''میں جوڈیتھ گراہم ہوں۔ تمہارا بہت بہت شکریہ۔'' کہتی ہوئی وہ آگے بڑھ گئی۔ حمید کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی وہ اسے جاتے دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ساحل پر پھیلے ہوئے اندھیرے میں مدغم ہوگئی۔

اب سوال تھا کہ حمید اس شخص کا کیا کرے۔ ایک بار پھر ٹرانسمیٹر پر فریدی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن پھر بھی جوابی اشارہ نہ ملا۔ محکمے کے کسی فرد سے فون ہی پر گفتگو ہوسکتی تھی اور فون کرنے کے لئے اُسے بے ہوش آدمی کو وہیں تنہا چھوڑ دینا پڑتا۔ اس نے سی سائیڈ ہیون کے لان پر ان دونوں کے درمیان ہونے والی بات چیت سنی تھی اور اس نتیجے پر پہنچا تھا

کہ جوڈی کا تعلق اس گروہ سے نہیں بلکہ صرف ایک فرد سے تھا جس نے اُس سے محض یہ کام لیا تھا کہ وہ جیرالڈ شاستری کے ہم شکل سے متعلق ایک کہانی سمیت کرائم رپورٹر انور تک پہنچ جائے۔ لہٰذا یہ بے ہوش آدمی اُس کے لئے جوڈی سے زیادہ اہم تھا۔

تو پھر اب کیا کیا جائے۔ دفعتاً اُسے کچھ یاد آیا اور اس نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب ٹٹولی۔ والگو کے پاس سے برآمد ہونے والا اس گروہ کا شناختی کارڈ اس وقت بھی اس کی جیب میں موجود تھا۔

وہ بے ہوش آدمی سے کچھ دور ہٹ کر بیٹھ گیا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ ہوش میں آنے کے بعد اُسے حملہ آور کی حیثیت سے نہیں پہچان سکے گا۔ وہاں اندھیرا ہی اتنا تھا کہ اس کی شکل نہیں دیکھ سکا ہوگا۔

تھوڑی دیر بعد اُس نے محسوس کیا کہ بے ہوش آدمی کے جسم میں حرکت ہوئی ہے۔ تیزی سے اُس کے قریب پہنچا اور جھک کر دیکھنے لگا۔

''کیا تم سن رہے ہو۔'' اس نے آہستہ سے پوچھا۔ اوہ..... وہ جلدی سے اُٹھ بیٹھا۔ پھر شاید الجھ بھی پڑتا۔ لیکن حمید اس کا شانہ تھپک کر بولا۔ ''خود کو قابو میں رکھو۔ وہ اپنا کام کر گئی۔ میں دیر سے پہنچا۔ یہ دیکھو۔'' اس نے جیب سے گروہ کا شناختی کارڈ نکال کر اس پر پنسل ٹارچ کی روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔

''اوہ......!'' اجنبی ڈھیلا پڑ گیا۔

''اب تم میرے ساتھ چلو گے۔ ہوٹل ڈی فرانس واپس نہیں جاؤ گے۔'' حمید نے کہا۔

وہ اُٹھ گیا اور حمید نے پوچھا۔ ''کیا میں تمہیں سہارا دوں۔''

''نہیں! شکریہ۔ میں چل سکتا ہوں۔''

''جوڈ یتھ نے کسی سے ساز باز کر رکھی تھی اور میں تمہاری دیکھ بھال پر متعین کیا گیا تھا۔ اس وقت مجھے کسی قدر دیر ہوگئی اور وہ دونوں اپنا کام کر گئے۔''

اجنبی کچھ نہ بولا۔ خاموشی سے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ سی سائیڈ ہیون کے قریب پہنچ کر حمید نے اُس سے پوچھا۔ ''کیا تم کچھ پیو گے۔''

''نہیں! شکریہ۔''

ٹیکسی جلد ہی مل گئی اور حمید نے ڈرائیور سے موڈل ٹاؤن کی طرف چلنے کو کہا۔ اجنبی روشنی میں آتے ہی اُسے غور سے دیکھنے لگا تھا۔ ٹیکسی موڈل ٹاؤن کی طرف روانہ ہوگئی۔ یہاں کی ایک عمارت کی کنجی اس وقت بھی حمید کی جیب میں موجود تھی۔ شہر میں متعدد ایسی عمارتیں تھیں جنہیں فریدی بوقت ضرورت استعمال کرتا رہتا تھا۔

''کیا تم بالکل ٹھیک ہو۔ مطلب یہ کہ طبی امداد کی ضرورت تو نہیں۔'' حمید نے اجنبی سے پوچھا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' اُس نے جواب دیا۔ ''طبی امداد کی ضرورت نہیں۔ حملہ بے خبری میں عقب سے ہوا تھا ورنہ میں اس حال کو نہ پہنچتا۔'' حمید خاموش ہی رہا۔

موڈل ٹاؤن پہنچ کر حمید راستے سے متعلق ڈرائیور کو ہدایات دینے لگا اور پھر ایک عمارت کے سامنے ٹیکسی رک گئی۔

عمارت کا قفل کھولتے وقت حمید نے اجنبی سے کہا۔ ''جب تک کہ کوئی دوسری ہدایت نہ ملے تمہیں اسی عمارت تک محدود رہنا پڑے گا اور تمہاری دیکھ بھال میرے ذمہ ہوگی۔''

وہ کچھ نہ بولا۔ دونوں عمارت میں داخل ہوئے۔ حمید روشنی کے سوئچ آن کرتا چل رہا تھا۔ گفتگو کے معاملے میں محتاط رہنا چاہتا تھا۔ کیونکہ ان لوگوں کے طریق کار کا اندازہ صرف اسی حد تک رکھتا تھا کہ وہ سب زیادہ تر ایک دوسرے کے لئے اجنبی تھے اور شناختی کارڈ کے ذریعے آپس میں رابطہ قائم کرتے تھے۔

''اپنا کھانا اس دوران میں تمہیں خود تیار کرنا پڑے گا۔'' حمید نے کہا اور یک بیک چونک پڑا۔ روشنی میں پہلی بار اُسے غور سے دیکھا تھا۔

''تت......تمہاری......ایک آنکھ۔'' وہ ہکلا کر رہ گیا۔

''اسی کش مکش کے دوران نکل گئی ہوگی۔'' اُس نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

''معاف کرنا مجھے علم نہیں تھا۔''

''ہاں، میری ایک آنکھ نقلی تھی۔ بچپن میں ضائع ہوگئی تھی۔''

''مجھے افسوس ہے۔''

''اوہ......کوئی بات نہیں۔ دوسری مل جائے گی۔'' اجنبی مسکرا کر بولا۔ ''ہاں تو مجھے

یہاں تنہا رہنا پڑے گا۔''

''مجھے یہی ہدایت ملی ہے کہ تمہیں یہاں تنہا چھوڑ دوں۔ کھانے پینے کی چیزیں میں خود ہی فراہم کردوں گا۔ تا اطلاع ثانی تم بیرونی برآمدے میں بھی قدم نہ رکھنا۔''

''بہت اچھا۔''

''اب میں جا رہا ہوں۔ کھانے پینے کی چیزیں فراہم کروں گا۔'' حمید نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔''

حمید واپسی کے لئے مڑ گیا۔

جوڈیتھ گراہم بُری طرح ہانپ رہی تھی۔ بڑی دشواریوں میں ہوٹل ڈی فرانس تک پہنچی تھی۔ بے سدھ ہوکر بستر پر گر گئی۔ آنکھیں چھت کی جانب نگراں تھیں۔ پلکیں جھپکائے بغیر دیکھے جا رہی تھی۔ گردن کا درد بڑھ رہا تھا۔ وہ تصور بھی نہیں کرسکتی تھی کہ اچانک اس کا رویہ اس طرح بدل جائے گا اور پتا نہیں وہ کون تھا جو اس کے حق میں فرشتہ بن گیا۔ اگر وہ عقب سے اس پر حملہ نہ کر بیٹھتا تو وہ مر ہی چکی ہوتی۔

آہستہ آہستہ پورا معاملہ اُس کی سمجھ میں آتا چلا رہا تھا۔ وہ سچ مچ کوئی بڑی سازش تھی جس میں اُس نے اُس کو آلہ کار کی حیثیت سے استعمال کیا تھا اور اس سے متضاد بیانات دلوائے تھے۔ کرائم رپورٹر انور سے کچھ کہلوایا تھا اور پولیس انکوائری کے جواب میں دوسرا اور اس سے بالکل مختلف بیان تھا۔

رات گئے تک وہ اسی الجھن میں پڑی رہی۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ سوچ رہی تھی کہ اس ملک میں وہ تنہا ہے۔ اگر کسی خاص مقصد کے تحت اُسے مار ڈالنے کی کوشش کی گئی تھی تو دوبارہ بھی اُس پر حملہ ہوسکتا ہے۔ کیا اُس نے خود کو پولیس سے بچائے رکھنے کے لئے اس کی زبان بند کردینے کی کوشش کی تھی۔

دفعتاً کسی نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی اور وہ اچھل پڑی۔ پھر خوفزدہ نظروں سے

دروازے کی طرف دیکھتی ہوئی اُٹھ بیٹھی۔

دستک پھر ہوئی۔ وہ دروازے کی بجائے فون کی طرف بڑھی اور ہاؤز ڈٹیکٹیو سے رابطہ قائم کرتے ہوئے بولی۔ ''میں خطرہ محسوس کررہی ہوں، کوئی میرے دروازے پر دستک دے رہا ہے۔فوراً پہنچو۔''

اس نے اپنے نام اور کمرہ نمبر کا حوالہ دے کر ریسیور رکھ دیا۔ دروازے پر بدستور دستک جاری تھی۔ وہ دم سادھے بیٹھی رہی۔ دستک دینے کا انداز جارحانہ نہیں تھا۔

پھر ایک تیز قسم کی دستک سنائی دی۔ ساتھ ہی آواز آئی۔ ''ہاؤز ڈٹیکٹیو محترمہ! براہِ کرم دروازہ کھول دیجئے۔ یہ ایک پولیس آفیسر ہیں۔''

اُس نے اُٹھ کر ہچکچاہٹ کے ساتھ دروازہ کھول دیا۔ ہاؤز ڈٹیکٹیو کے ساتھ وہی آفیسر کھڑا دکھائی دیا جس نے اُس کے کاغذات دیکھے تھے۔ وہ مسکرا کر بولی۔ ''اُمید ہے کہ تم مجھے بھولی نہ ہوگی۔''

''اوہ......نہیں آؤ......اندر آجاؤ۔'' وہ طویل سانس لے کر بولی اور ہاؤز ڈٹیکٹیو سے کہا۔ ''معاف کرنا، مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔''

''کوئی بات نہیں۔'' کہتا ہوا وہ رخصت ہوگیا۔

کیپٹن حمید کمرے میں داخل ہوا۔ وہ اس وقت میک اپ میں نہیں تھا۔

جوڈی دروازہ بند کرکے وہیں کھڑی اُسے بغور دیکھتی رہی۔

''کیا بیٹھنے کو بھی نہ کہو گی۔'' حمید بولا۔

''اوہ......نہیں بیٹھو بیٹھو۔''

''ناوقت تکلیف دہی پر نادم ہوں۔''

''اوہ......کوئی بات نہیں۔ بتاؤ میں اس وقت تمہارے لئے کیا کرسکتی ہوں۔''

''اب تم سچ بول سکتی ہو۔'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''کک......کیا مطلب......؟''

''اگر میں نے اپنا ایک آدمی تمہاری نگرانی پر نہ لگا دیا ہوتا تو تم اس وقت ساحل پر مردہ پڑی ہوتیں۔''

وہ کانپ کر رہ گئی۔ پھر اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپالیا۔

''لیکن تم اب بھی خطرے میں ہو۔'' حمید بولا۔

''کک...... کیوں؟ کیا تمہارے آدمی نے اُسے گرفتار نہیں کرلیا۔''

''نہیں...... وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا کیونکہ میرا آدمی تنہا تھا۔''

''یہ اچھا نہیں ہوا۔'' وہ مضطربانہ انداز میں بولی۔

''اور اس پر دوبارہ ہاتھ ڈالنے کی صرف یہی صورت ہو سکتی ہے کہ تم اس کے بارے میں مجھے سب کچھ بتا دو۔''

''میں تصور بھی نہیں کرسکتی تھی کہ جیروم اچانک اتنا وحشی ہو جائے گا۔ خدا کی پناہ۔ یقین نہیں آتا۔''

''اتنا قریبی دوست ہے۔'' حمید نے حیرت سے پوچھا۔

''تم یقین نہیں کرو گے کہ ہم جلد ہی شادی کرنے والے تھے۔ حالانکہ صرف دو ماہ پہلے ہماری ملاقات ہوئی تھی۔ وہ ایسا پیارا آدمی تھا...... خداوند میں کیسے یقین کروں۔ کیا وہ پاگل ہو گیا تھا۔''

''مس گراہم مجھے حیرت ہے۔ میں نے آج تک نہیں سنا کہ کسی لڑکی کو کسی یک چشم آدمی سے اس حد تک لگاؤ ہوا ہو۔ ساری دنیا کی عشقیہ داستانوں میں بھی کوئی یک چشم ہیرو نظر نہیں آتا۔''

''میں نہیں سمجھی تم کیا کہنا چاہتے ہو...... کیسا یک چشم۔ کس کی بات کر رہے ہو۔''

''مسٹر جیروم کی۔''

''میں اب بھی نہیں سمجھی۔''

''کیا اس کی ایک آنکھ نقلی نہیں ہے۔''

''ہرگز نہیں۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔''

حمید طویل سانس لے کر رہ گیا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ''کیا وہ جیروم نہیں تھا جس نے ساحل پر تمہارا گلا گھونٹنے کی کوشش کی تھی۔''

''بلاشبہ وہی تھا۔''

''تو پھر وہ یک چشم ہے۔ اس کش مکش کے دوران میں اُس کی نقلی آنکھ حلقے سے نکل کر گر گئی تھی۔''

''مجھے یقین نہیں آتا۔''

''اگر وہ دوبارہ ہاتھ لگا تو ثابت کر دوں گا۔ خیر اب مجھے اسکے ٹھکانے سے آگاہ کرو۔''

''وہ یہیں برابر والے کمرے میں مقیم تھا۔'' وہ بائیں جانب اشارہ کر کے بولی۔

''اچھا...... کمال ہے۔ واقعی اُس کی وہ آنکھ نقلی نہیں لگتی تھی۔''

''میں تو بہت قریب سے اُسے دیکھتی رہی ہوں۔''

''اگر وہی تھا تو اتنے قریب ہونے کے باوجود بھی وہ یہاں تمہارے لئے اجنبی کیوں بنا رہا تھا۔'' حمید نے سوال کیا۔

''جب سے تم نے مجھ سے پوچھ گچھ کی تھی اُس نے چھپ کر ملنا شروع کر دیا تھا۔ دوسروں کے سامنے اجنبی بنا رہتا تھا اور اُس کے بعد ہی یہاں کمرہ بھی لے لیا تھا۔''

''ویسے کہاں رہتا ہے؟''

''تین سو گیارہ گرینڈ ایونیو۔''

''کرتا کیا ہے۔''

''کمرشل آرٹسٹ ہے۔ کئی بڑی کمپنیوں کے لئے کام کرتا ہے۔''

''اور اُسی نے تمہیں جیرالڈ شاستری کے ہم شکل کے بارے میں پوچھ گچھ کرنے پر اُکسایا تھا۔''

''ہاں، اُسی نے اور یہ بھی کہا تھا کہ وہ کوئی خطرناک معاملہ نہیں ہے۔ بس کچھ لوگوں سے مذاق کرنا چاہتا ہے۔''

''تم نے انور سے کچھ کہا تھا اور مجھ سے کچھ۔ دونوں بیانات میں بہت واضح تضاد تھا۔''

''میں نے اپنے دل سے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔''

''یعنی اس نے دو طرح کے بیان تم سے دلوائے تھے۔''

''ہاں، اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔''

''تم بڑی دشواری میں پڑ گئی ہو۔''

''خدا جانے! میری سمجھ میں کچھ نہیں آ تا۔''

''تم مجرموں کے ایک گروہ کی آلہ کار بن گئی ہو۔''

''یقین کرو۔ میں جیروم کے علاوہ اور کسی کو بھی نہیں جانتی۔ کسی گروہ سے اس کا تعلق ہوگا، میرا نہیں ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ تم اس معاملے میں جھوٹ نہیں بول رہیں۔''

''شکریہ! میں یہاں بالکل تنہا ہوں۔ پتا نہیں میرا کیا حشر ہوگا۔''

''فکر نہ کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بس تم اس معاملے میں اپنی زبان بند رکھنا۔''

''یعنی تم میرے خلاف کارروائی نہیں کرو گے۔''

''فی الحال میں تمہاری حفاظت کروں گا۔ یہ خطرناک لوگ ہیں۔ ہاں تو اس نے تمہیں کس طرح انور کے پاس بھیجا تھا۔''

''اس نے اُس تصویر کو دیکھ کر مجھ سے کہا تھا کہ اس کہانی کے ساتھ انور تک جاؤں۔ واپسی پر وہ بیان رٹایا جو مجھے پولیس کو دینا تھا۔ میں تیار نہیں تھی، لیکن اس نے کہا کہ مقصد صرف یہ ہے کہ اُس کے کچھ دوست حیران رہ جائیں گے۔ تم تو جانتی ہی ہو کہ بعض تعلقات کیسے ہوتے ہیں۔ کوئی بات ٹالی نہیں جاسکتی۔ پھر تمہیں بیان دینے کے بعد اس کا رویہ بدل گیا، اُس نے کہا کہ وہ قریب رہ کر میری حفاظت کرے گا۔ لیکن ہم دونوں کو اجنبیوں کی طرح رہنا پڑے گا۔ خداوندا...... اب بھی میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

''اسی الجھن سے بچانے کے لئے اس نے تمہیں مار ڈالنا چاہا تھا۔'' حمید مسکرا کر بولا اور وہ نظریں چُرانے لگی۔

''اب تم ہاؤز ڈٹیکٹیو کو فون کر کے میری طرف سے کہو کہ یہاں آ جائے۔'' حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

''کک...... کیا کرو گے؟''

''ضابطے کی کارروائی۔'' حمید نے کہا۔

ہاؤز ڈٹیکٹیو ایک ریٹائرڈ سب انسپکٹر پولیس تھا اور حمید سے واقف تھا۔ اس لئے حمید کو اس بے ضابطہ کارروائی کے سلسلے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ ورنہ وہ تلاشی کے وارنٹ کے

بغیر جیروم کے کمرے کی تلاشی لینے کا مجاز نہیں تھا۔

تلاشی کے نتیجے میں صرف ایسے آلات قابل گرفت نظر آئے جن کے ذریعے جیروم جوڈی کے کمرے میں ہونے والی گفتگو بخوبی سن سکتا تھا۔ اس کے علاوہ حمید کو جن چیزوں کی تلاش تھی وہ اُسے نہ مل سکیں۔ مثلاً ایسے کاغذات جن سے اس کی شخصیت پر روشنی پڑ سکتی۔

یہ بے ضابطہ کارروائی تھی لہٰذا ہاؤز ڈیٹکٹیو سے یہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں تھی کہ وہ اس سلسلے میں اپنی زبان بند رکھے۔ وہ خود ہی سمجھ دار تھا۔ زبان کھولنے پر خود اس کی پوزیشن خراب ہو سکتی تھی۔

جیروم کا کمرہ مقفل کر کے وہ جوڈی کے کمرے میں واپس آیا اور وہ مضطربانہ انداز میں بولی۔ ''وہاں کیا دیکھ رہے تھے۔''

''یہی کہ تم پر اُس کی کتنی کڑی نگرانی تھی۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''وہاں ایسے آلات موجود ہیں جن کے ذریعے وہ تمہارے کمرے میں ہونے والی گفتگو بخوبی سنتا رہا ہوگا۔''

''آخر یہ سب کیا ہے؟'' وہ اُلجھ کر بولی۔

''جب تم نہیں سمجھ سکتیں تو فی الحال میں کیا بتا سکوں گا۔ جلد ہی تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔''

''میں اب کیا کروں۔''

''اپنے معمولات میں کوئی فرق نہ آنے دو۔ کوئی تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔''

''یہ تو میں نے دیکھ ہی لیا ہے۔''

''اس کے ملنے جلنے والوں کے بارے میں کچھ بتاؤ۔''

''عجیب اتفاق ہے کہ اُس نے کبھی کسی سے میرا تعارف نہیں کرایا۔ کبھی کوئی ایسے اوقات میں ملا ہی نہیں جب ہم دونوں ساتھ رہے ہوں۔''

''آخری سوال!'' حمید ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ ''اب اپنے ذہن کو اچھی طرح ٹٹول کر بتاؤ کیا اب بھی تمہاری زندگی میں اُس کے لئے کوئی گنجائش ہے۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔'' وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ ''ایسے حالات سے گزرنے کے بعد کوئی دیوانہ ہی اُس کے لئے اچھے احساسات رکھ سکے گا۔''

''گڈ......اگر کوئی اس کے بارے میں تم سے پوچھ گچھ کرے تو کھل کر لاعلمی ظاہر کرنا۔ یعنی تم نے کبھی اُس کا نام تک نہیں سنا۔''

''لیکن وہ لوگ جو اس معاملے سے واقف ہیں۔''

''صرف انور جانتا ہے اور مجھے علم ہے۔''

''ٹھہرو! مجھے یاد آ رہا ہے۔'' وہ ہاتھ اُٹھا کر کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ ''انور کے فلیٹ میں اس وقت ایک پولیس آفیسر بھی موجود تھا اور اُس نے بھی میری کہانی سنی تھی۔''

''انور کی زبان میں بند کردوں گا اور اُس پولیس آفیسر کو تم خود جھٹلا سکتی ہو۔ انور تمہارے بیان کی تائید کرے گا۔''

''میں تمہاری بے حد شکر گزار ہوں۔''

''دشواری میں پڑے ہوئے لوگوں کو سہارا دینا میرے فرائض میں شامل ہے۔''

''لیکن اگر یہ واقعہ پیش نہ آیا ہوتا تو۔''

''تم بدستور مشتبہ افراد کی فہرست میں شامل رہتیں۔''

وہ طویل سانس لے کر رہ گئی۔

''اور ہاں......!'' حمید نے چلتے چلتے کہا۔ ''دروازہ اندر سے مقفل کر کے سونا۔''

''پھر کب ملو گے۔''

''کیا تم چاہتی ہو کہ میں پھر ملوں۔''

''اب تمہارے علاوہ یہاں اور کسی کو نہیں جانتی۔''

''میں دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔''

وہ اس وقت تک راہداری میں کھڑا رہا تھا جب تک دروازہ بند ہو جانے کے بعد قفل میں کنجی گھومنے کی آواز نہیں سن لی تھی۔ راہداری میں سناٹا تھا۔ وہ تیزی سے اس کمرے میں داخل ہو گیا جس میں عدنان خلیلی کے نام سے مقیم تھا۔

اُوزاکا عجیب سی وحشت میں مبتلا تھا۔ کھلے آسمان کے نیچے آنے کے تصور ہی سے کانپ جاتا تھا۔ باہر نکلنا ہی پڑتا تو زیادہ تر کوشش یہی ہوتی کہ اس پر دھوپ نہ پڑنے پائے۔ گویا اپنی پرچھائیں سے بھی خوف کھانے لگا تھا۔ فریدی کی ہدایت کے مطابق وہ لاکٹ اب بھی اُس کے گلے میں پڑا ہوا تھا جس کے بارے میں فریدی نے شبہ ظاہر کیا تھا۔ اُس کے اندر کسی قسم کی الیکٹرونک ڈیوائیس موجود ہے۔ ہر چند کہ وہ لاکٹ اس لاکٹ سے مختلف نہیں تھا جو بچپن ہی سے اُس کی گردن میں پڑا آرہا تھا لیکن وہ لوگ شاید اس کی پشت پر ان نقوش کی نقل کرنا بھول گئے تھے جو اصل لاکٹ میں موجود تھے اور جن میں پسینے کی تہیں جم کر سیاہ ہوگئی تھیں۔ اسی فرق نے فریدی کے خیال کی توثیق کی تھی ورنہ وہ اسے باور کرلینے پر کسی طرح بھی تیار نہ ہوتا۔ پھر فریدی ہی کی ہدایت کے مطابق اُس نے اُسے کھولنے کی بھی کوشش نہیں کی تھی۔ دن میں متعدد بار ڈربی ہاؤز کے نمبر ڈائیل کرتا تھا لیکن اس کی کال ریسیو نہیں کی جاتی تھی۔

اسے یقین تھا کہ اب ڈربی ہاؤز بالکل خالی ہے۔ اس کے باوجود بھی اُس کے معمول میں فرق نہیں آیا تھا۔ دن میں کئی بار فون پر اُس کے نمبر ڈائیل کرتا۔ اُس رات کے بعد سے ابھی تک فریدی سے دوبارہ ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

اسٹیل ملز کی ڈیوٹی جاری تھی۔ معمول کے مطابق وہاں اپنے فرائض انجام دیتا اور گھر واپس آجاتا۔

اسٹیل ملز کا نیا منیجر جمشید سخت گیر آدمی معلوم ہوتا تھا۔ آنکھوں ہی سے خونخواری جھلکتی تھی۔ نرم لہجے میں بھی بات کرتا تو ایسا محسوس ہوتا جیسے کوئی بھیڑیا غرا رہا ہو۔ لیکن ڈربی ہاؤز سے ملی ہوئی اطلاع کے مطابق اس کا تعلق تنظیم سے نہیں تھا۔

جمشید کسی دوسرے محکمے سے آیا تھا۔ اُوزاکا خیال تھا کہ اسٹیل ملز ہی کے کسی فرد کو منیجر کے عہدے پر ترقی دے دی جائے گی لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔

سابق منیجر جبار کے متعلق اُوزاکا کو علم نہیں تھا کہ زندہ بھی ہے یا بحالت دیوانگی اُس کی موت واقع ہو چکی ہے۔ اُس کے بارے میں اخبارات میں کوئی خبر نہیں آئی تھی۔

نیا منیجر مل کے سارے عہدیداروں کو فرداً فرداً اپنے دفتر میں طلب کر کے گفتگو کر رہا تھا۔ اُوزاکا کی باری بھی آ گئی۔

وہ اپنے آفس میں تنہا تھا اور اُوزاکا کی پرسنل فائل اُسکے سامنے رکھی ہوئی تھی۔ اُس نے سامنے والی کرسی کی طرف ہاتھ اُٹھا کر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور وہ اس کا شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔

''اُن دونوں سے تمہارے کیسے تعلقات تھے جنہوں نے پولیس پارٹی پر حملہ کیا تھا۔'' جمشید نے پہلا سوال کیا۔

''میرے ہم وطن تھے۔''

''میں نے ذاتی تعلقات کے بارے میں پوچھا ہے۔''

''ظاہر ہے کہ قریبی تعلقات رہے ہوں گے، ہم وطن ہونے کی حیثیت سے۔''

''تم کہاں تھے جب انہوں نے پولیس پارٹی پر حملہ کیا تھا۔''

''یہیں تھا، ڈیوٹی پر۔''

''کیا تم بتا سکو گے کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا تھا۔''

''مجھے افسوس ہے کہ میں اُن کی نجی زندگیوں میں دخیل نہیں تھا۔''

''اُن کی کوئی بہن بھی تھی۔''

''ہاں تھی تو......لیکن شاید وہ اب پولیس کی تحویل میں ہے۔''

''تم سابق منیجر مسٹر جبار کے خاص آدمیوں میں سے ہو۔''

''خاص سے کیا مراد ہے۔''

''دوستانہ تعلقات تھے؟''

''وہ میرا خیال ضرور کرتے تھے، لیکن اُسی طرح جیسے کوئی آفیسر کسی ماتحت پر زیادہ مہربان ہو جائے۔ میری دانست میں اس تعلق کو دوستانہ کہنا مناسب نہ ہوگا۔''

''خصوصی برتاؤ کی کوئی خاص وجہ تھی؟''

''میری دانست میں تو کوئی خاص وجہ نہیں تھی۔''

''غیر فطری بات۔'' جمشید بُرا سا منہ بنا کر بولا اور اُسے گھورتا رہا۔

''اُوزاکا عجیب سی الجھن محسوس کر رہا تھا۔ لیکن اس بات کا اُسکے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔''

''میں بہت جلد معلوم کرلوں گا۔'' جمشید اُسے کینہ توز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

''میں نہیں سمجھا آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔''

''پچپن لاکھ کے غبن کا پتہ لگایا ہے میں نے۔''

''ضرور لگایا ہوگا۔ لیکن مجھے اُس سے کیا سروکار۔''

''یہی تو دیکھنا ہے۔'' جمشید غرایا۔ ''اور یہ بھی دیکھنا ہے کہ جبار اس طرح پاگل ہوکر مر کیوں گیا۔''

''مر گیا......؟'' اُوزاکا اچھل پڑا۔

''کیوں؟ کیا تمہیں علم نہیں۔''

''نہیں...... میں نہیں جانتا۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔'' جمشید نے خشک لہجے میں کہا۔

''مسٹر منیجر! مجھے خواہ مخواہ ہراساں کرنے کی کوشش مت کرو۔ میں منتظر رہوں گا کہ تم میرے خلاف کیا ثابت کر سکتے ہو۔'' اُوزاکا بھی طیش میں آکر بولا۔

جمشید نے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے اور اُسے گھورتا رہا۔

''کیا میں اب جا سکتا ہوں؟''

''جاؤ......!'' جمشید دروازے کی طرف ہاتھ اُٹھا کر دہاڑا۔

اُوزاکا نے باہر نکلتے ہوئے زور سے دروازہ بند کیا تھا۔ اس طرح اپنی دانست میں گویا جمشید کو باور کرانا چاہتا تھا کہ وہ اس سے ذرہ برابر بھی مرعوب نہیں ہوا۔ بھلا اُس کو اس سے کیا سروکار ہوسکتا تھا کہ وہاں پچپن لاکھ کا غبن ہوا تھا یا نہیں۔ وہ تو اپنے ملک کی حکومت کی طرف سے تکنیکی ہدایت کار کی حیثیت سے یہاں بھیجا گیا تھا اور اپنے اس فرض کی ادائیگی پوری دیانتداری سے کرتا رہا تھا۔ نجی زندگی میں جس تنظیم سے وابستہ تھا، اس کی ایک شاخ یہاں بھی موجود تھی اور اُسی کی طرف سے اس کو ہدایت ملی تھی کہ تنظیم کے معاملات میں بھی اُسے اسٹیل ملز کے منیجر ہی کے احکامات کی تعمیل کرنی پڑے گی۔ منیجر کی حیثیت سے اگر وہ غبن کا بھی

مرتکب ہوا تھا تو یہ اس کا ذاتی معاملہ تھا۔ جس کی سن گن بھی اُوزاکا کو کبھی نہیں ملی تھی۔ اوہ، جہنم میں جائے۔ وہ سوچتا ہوا اپنے آفس میں واپس آیا۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوسکتا تھا کہ اُسے ناپسندیدہ قرار دے کر اُس کے ملک واپس کردیا جاتا اور پھر اس کے خلاف غبن کا الزام ثابت کیسے ہوگا، جب کہ اس کے فرشتوں کو بھی اس کا علم نہیں تھا۔''

ڈیوٹی کا وقت ختم ہونے تک وہ اپنے آفس میں بیٹھا رہا۔ نئے منیجر کے رویئے نے اُسے شدید جھنجھلاہٹ میں مبتلا کردیا تھا۔ چار بجے وہ آفس سے نکل کر اپنی گاڑی میں آبیٹھا۔ سوچ رہا تھا کہ ایک بار پھر ڈربی ہاؤز سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اپنی قیام گاہ تک پہنچنے کے لئے اُسے شہری آبادی سے بھی گزرنا پڑتا۔ اُس نے سوچا کہ وہیں سے کسی پبلک ٹیلی فون بوتھ سے ڈربی ہاؤز فون کرے گا۔ پھر شہر پہنچ کر وہ کوئی ایسا فون بوتھ تلاش کرنے لگا جس تک پہنچنے کے لئے اُسے دھوپ سے نہ گزرنا پڑے۔ پرچھائیں کا خوف اُس پر ہر وقت طاری رہتا تھا۔

اس کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی کیونکہ ابھی دھوپ موجود تھی۔ بس پھر وہ سیدھا اپنی قیام گاہ کی طرف نکلا چلا گیا۔ گلے میں پڑے ہوئے لاکٹ نے اُس کی زندگی تلخ کررکھی تھی لیکن وہ اسے اتار بھی نہیں سکتا تھا۔ فریدی نے اُسے باور کرایا تھا کہ اگر انہیں اس کا شبہ بھی ہوگیا کہ اُسے لاکٹ کے راز سے آگاہی ہوگئی ہے تو وہ اُسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

قیام گاہ پر پہنچ کر اس نے فون پر ڈربی ہاؤز کے نمبر ڈائیل کئے۔ اس بار ایسا لگا جیسے دوسری طرف سے کسی نے ریسیور اٹھایا ہو۔

''ہیلو......!'' نسوانی آواز آئی اور وہ متحیر رہ گیا۔ پہلے کبھی اُدھر سے کوئی نسوانی آواز نہیں سنی تھی۔ اس خیال سے کہ کہیں کوئی غلط نمبر نہ مل گیا ہو، اس نے پوچھا ''ڈربی ہاؤز۔''

''ہاں، ڈربی ہاؤز ہے۔''

''میں اُوزاکا بول رہا ہوں۔''

''کون اُوزاکا۔''

''تم کون ہو۔''

''میں پامیلا ہوں۔''

''کیا وہاں کوئی مرد موجود نہیں ہے۔''

''تمہیں کس سے ملنا ہے۔''

''اُوزاکا اس کا کیا جواب دیتا۔ ڈربی ہاؤز کے کسی فرد کا نام نہیں جانتا تھا۔''

''مسٹر پے فن سے۔'' کچھ نہ کچھ تو کہنا ہی تھا۔ ویسے اُس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا۔ یہی نام اُس کی زبان پر کیوں آیا تھا۔

''شاید تم پچھلے کرایہ دار کی بات کرر ہے ہو۔''

''کسی مرد سے بات کراؤ۔''

''یہاں سرے سے کوئی مرد ہے نہیں۔ میں یہاں تنہا رہتی ہوں، اور آج ہی میں نے یہ عمارت کرائے پر حاصل کی ہے۔''

''کیا تم تنہا ہو۔''

''بالکل......تم کون ہو اور کہاں سے بول رہے ہو۔''

''یہ معلوم کر کے کیا کرو گی۔ ظاہر ہے کہ میرا تعلق پچھلے کرایہ دار سے تھا۔''

''مجھ سے بھی ہوسکتا ہے تعلق۔''

''تعلقات کسی ضرورت کے تحت ہوتے ہیں۔''

''کیا تمہاری ساری ضرورتیں پوری ہو چکی ہیں۔''

''ایسا تو نہیں ہے۔''

''تو پھر ہوسکتا ہے کہ میں تمہارے کسی کام آسکوں۔''

''مثلاً......!'' اوزاکا نے کسی قدر تیز لہجے میں پوچھا۔

''میں تمہیں بتا سکتی ہوں کہ تمہاری آئندہ زندگی میں کیا ہونے والا ہے۔ میں پامسٹ بھی ہوں اور ستارہ شناس بھی۔''

''میں نے اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں کبھی کچھ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی۔''

''ڈرتے ہو۔''

''نہیں یہ بات نہیں ہے۔ اگر پہلے سے سب کچھ معلوم ہو جائے تو زندگی میں کوئی چارم نہیں رہتا۔''

''اس بات پر میں تم سے متفق ہوں۔تو پھر تم مجھ سے ملنے آ رہے ہو۔''

''آخر کیوں؟''

''اس شہر میں تم پہلے آدمی ہو جس سے میری گفتگو ہوئی ہے۔ خود کو بہت تنہا محسوس کر رہی ہوں۔ کیا تم اس عمارت کے دوسرے کرایہ دار سے دوستی نہیں کر سکتے۔''

''شاید تم مجھے پسند نہ کرو۔ میں یوروپین نہیں ہوں۔''

''میں بھی نہیں ہوں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''پھر کون ہو۔''

''فلپینی۔''

''لیکن لہجہ انگریزوں جیسا ہے؟''

''ماں انگریز تھی۔''

''اچھا تو پھر میں تمہارے لئے کیا کروں؟''

''آسکتے ہو تو آ جاؤ۔''

''ڈربی ہاؤز سے بیس میل کے فاصلے پر ہوں۔''

''تب تو مجبوری ہے۔ خیر پھر سہی۔ لیکن یاد رکھنا۔'' دوسری طرف سے کہا گیا اور رابطہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔

اُوزاکا نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کیا یہ ممکن ہے کہ ان لوگوں نے ڈربی ہاؤز چھوڑ دیا ہو۔تو پھر کیوں نہ اُسے بلاوا ہی سمجھا جائے۔ بڑی عجیب پوزیشن میں خود کو محسوس کر رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ تنظیم کی نظروں میں اب اس کی کیا حیثیت ہے۔ دوسری طرف فریدی نے یہ معلوم ہو جانے کے بعد بھی کہ اس کی کوٹھی میں تباہی پھیلانے والی خود اُسی کی ذات تھی، اُسے چھوٹ دے رکھی تھی۔ آخر یہ دونوں حریف اس سے کیا چاہتے تھے۔ کیا فریدی یہ سمجھتا تھا کہ اس کے توسط سے وہ تنظیم کا قلع قمع کر سکے گا۔ بہت بڑی بھول تھی۔ تو اب یہ بھی ناممکن تھا کیونکہ فیمی فریدی کے قبضے میں تھی، فیمی جس کے لئے وہ تنظیم سے غداری کا مرتکب ہوا تھا۔ بھلا وہ فیمی کو اس کے قبضے سے نکالے بغیر اُسے تنظیم کے حوالے کیسے کر سکتا تھا۔ پھر اس کی پوزیشن کیا تھی۔ وہ کہاں کھڑا تھا اور کسی دوسری مرحلے کی طرف

مراجعت کی تو خود اس کا کیا حشر ہوگا۔ کبھی کبھی تو اُسے فیمی پر بھی غصہ آنے لگتا کہ اس کی وجہ سے خواہ مخواہ اُس اُلجھن میں پڑا ہے۔ دراصل یہ اُوزاکا کی پرانی کمزوری تھی۔ کسی خیال پر ثابت قدمی سے قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ کبھی تنظیم سے وفاداری کا جذبہ اُبھرتا اور کبھی فیمی کیلئے تڑپنے لگتا۔ کبھی فریدی کی مہربانی یاد آتی اور کبھی سوچتا کہ فتنے کی اصل وجہ تو وہی ہے۔

تھوڑی دیر بعد ان سارے خیالات کو ذہن سے جھٹک دینے کے لئے شراب نوشی شروع کردی۔ پھر عین ہنگام سرخوشی میں اچانک فون کی گھنٹی کی آواز نے اسے چونکا دیا تھا۔ ریسیور اٹھایا، کال ریسیو کی۔ دوسری طرف اسٹیل ملز کا نیا منیجر جمشید تھا۔

''تم تصور نہیں کر سکتے کہ ہم سب کس پوزیشن میں ہیں۔'' اس نے کہا۔

''میں نہیں سمجھا آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔'' اوزاکا بولا۔

''اگر اس غبن کی خبر کسی طرح آؤٹ ہوگئی تو حکومت کی پوزیشن خراب ہوگی۔ کیونکہ یہ ادارہ ورلڈ بنک کی امداد سے قائم ہوا تھا۔''

''میں جانتا ہوں مسٹر منیجر! لیکن غبن کے سلسلے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔''

''جبار نے اتنی بڑی رقم فوری طور پر تو ہضم نہ کرلی ہوگی کہیں نہ کہیں اس کا کچھ حصہ ضرور محفوظ ہوگا۔''

''ممکن ہے۔'' اُوزاکا نے لاپرواہی سے کہا۔

''تو پھر تم میری مدد کرو......؟''

''میں کس طرح مدد کرسکتا ہوں جناب۔''

''میرے ساتھ مل کر اُسے تلاش کرو۔''

''کہاں تلاش کروں۔''

''جہاں جہاں اس کے ملنے کا امکان ہو۔''

''میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں کہ مسٹر جبار کے نجی معاملات کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔''

''پھر بھی اگر ہم دونوں مل کر تلاش کریں تو اس میں کیا حرج ہے۔''

''کوئی حرج نہیں۔'' اُوزاکا زچ ہو کر بولا۔

''بس تو پھر میری دوسری کال کے منتظر رہنا۔'' کہہ کر دوسری طرف سے رابطہ منقطع کر دیا گیا۔

یہ تیسری مصیبت گلے لگ گئی ہے۔ اس نے سوچا۔ پتا نہیں کس قسم کا آدمی ہے۔ ہوسکتا ہے جبار ہی کی طرح تنظیم ہی سے تعلق رکھتا ہو۔ لیکن ڈربی ہاؤز سے تو اُسے پہلے ہی آگاہ کر دیا گیا تھا کہ اب جو آدمی منیجر کی جگہ پر آئے گا وہ تنظیم سے متعلق نہ ہوگا۔ اگر تنظیم سے متعلق نہیں ہے تو غبن کی بات صرف اُوزاکا ہی سے کیوں کی؟ اسسٹنٹ منیجروں سے پوچھ گچھ کیوں نہیں کی۔ شاید اُس کے علاوہ اور کسی سے بھی اس سلسلے میں گفت وشنید نہیں کی گئی تھی ۔ اگر ایسا ہوتا تو کسی دوسرے ذریعے سے بھی یہ بات اُوزاکا تک پہنچی ہوتی۔ پچپن لاکھ کا غبن غیر معمولی واقعہ نہیں۔ جنگل کی آگ کی طرح یہ خبر پورے مل میں پھیل گئی ہوتی۔ ہوسکتا ہے جبار نے غبن کیا ہو اور رقم رکھنے کی جگہ کی نشاندہی کرنے سے قبل ہی پاگل ہوگیا ہو۔ آخر تنظیم کے مصارف بھی تو ہوتے ہیں۔ ان کے لئے رقم کہاں سے آتی ہوگی۔ ہوسکتا ہے رقم کا حصول ایسے ہی ذرائع سے ہوتا ہو۔ لیکن اگر جمشید تنظیم ہی کا آدمی ہے تو یہ بات اُس سے کیوں چھپائی جارہی ہے جب کہ جبار کے بارے میں اُسے اور فیمی کے دونوں بھائیوں کو علم تھا کہ وہ تنظیم ہی کا آدمی ہے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ حقیقتاً اب تنظیم کے مقامی سربراہ کو اُس پر اعتماد نہیں رہا اور اب وہ صرف ایک مہرے کی حیثیت سے استعمال کیا جارہا ہے۔ ایسا مہرہ جس کے پٹ جانے کا امکان بھی روشن ہو۔ تو پھر اُسے کیا کرنا چاہئے۔ یہ ایک سوال تھا جس کا جواب اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوسکتا تھا کہ خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دے۔ تو پھر کیوں نہ وہ ڈربی ہاؤز کی طرف روانہ ہو جائے۔ اس عورت پامیلا کو بھی دیکھے۔ ٹھیک ہے۔ فی الحال یہی ہونا چاہئے۔

حمید اس وقت عدنان خلیلی کے میک اپ میں تھا جب جیروم سے مڈبھیڑ ہوئی تھی۔ اس لئے اس نے دوبارہ ملنے سے قبل اُسے پھر وہی میک اپ کرنا پڑا۔ ہوٹل ڈی فرانس میں بھی

کمرہ عدنان خلیلی ہی کے نام سے حاصل کیا تھا۔

جیروم اُسی عمارت میں ملا جہاں حمید نے اُسے ٹھہرایا تھا۔ دن کی روشنی میں اس کی شکل عجیب لگ رہی تھی۔ دوسری آنکھ کی عدم موجودگی نے چہرے پر ویرانی پھیلا رکھی تھی۔ حمید نے محسوس کیا کہ وہ بہت زیادہ مغموم بھی ہے۔

''اب مجھے کیا کرنا ہوگا۔'' اُس نے مردہ سی آواز میں حمید سے پوچھا۔

''فی الحال یہیں رہو گے۔ کیونکہ ابھی تک اس سلسلے میں مجھے کوئی ہدایت نہیں ملی۔'' حمید نے جواب دیا۔

''وہ زندہ ہے یا مرگئی۔''

''زندہ ہے۔''

''اگر زندہ ہے تو مجھے اپنی زندگی سے مایوس ہو جانا چاہئے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ جیروم کی ایک آنکھ سے ایک موٹا سا قطرہ گال پر ڈھلک آیا۔

''ہوسکتا ہے تمہارے اندیشے بے بنیاد ہوں۔'' حمید نے کہا۔

''میں موت سے نہیں ڈرتا۔'' جیروم جھنجھلا کر بولا۔ ''میں تو اُس زندگی سے خائف ہوں جو اُس کے بغیر گزرے گی۔''

''اوہو......تو کوئی ایسی بھی بات ہے۔''

جیروم کچھ نہ بولا۔ اُس کے چہرے کا اضمحلال کچھ اور بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ''پہلے اُس سے مل بیٹھنے کو کہا گیا۔ پھر ہدایت ملی کہ اس سے جذباتی طور پر بھی لگاؤ پیدا کرنا ہے۔ جب بات سچ مچ بہت آگے بڑھ گئی تو کہا گیا مار ڈالو۔ تم خود سوچو کیا یہ پاگل بنا دینے والی بات نہیں ہے۔''

''ہوگی۔'' حمید نے لاپرواہی کے اظہار میں شانے سکوڑے۔

''ہم بھی آدمی ہیں۔ مشین نہیں۔''

''مجھے حیرت ہے کہ تمہیں اس پر بھی غور کرنے کا وقت مل جاتا ہے۔''

''میں کہہ چکا ہوں کہ مشین نہیں ہوں۔''

''تمہاری باتیں عجیب ہیں۔''

''میں زندہ نہیں رہنا چاہتا۔''

''تم مجھ سے یہ سب کچھ کیوں کہہ رہے ہو۔'' حمید نے جھنجھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

''اس لئے کہ تمہارے توسط سے یہ بات وہاں تک پہنچ جائے۔''

''لڑکی تک۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ وہ تو اب میری شکل تک دیکھنے کی روادار نہ ہوگی۔''

''میں اپنے کام سے کام رکھتا ہوں۔ کسی کے لئے بھی تمہارا پیغام بر نہیں بن سکتا۔'' حمید نے کہا اور پھر چونک کر بولا۔ ''تم نے یہاں کا فون تو استعمال نہیں کیا......؟''

''کیوں؟''

''تمہارے لئے یہی حکم ہے کہ تا حکم ثانی ایسے بن جاؤ جیسے دنیا سے ناپید ہوگئے ہو۔''

''کیسی مجبوری ہے۔ نہیں میں نے فون نہیں استعمال کیا۔''

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور حمید کو کال ریسیو کرنے کے لئے دوسرے کمرے میں جانا پڑا۔ اور پھر اس کا چہرہ کھل اُٹھا کیونکہ دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی تھی۔

''کیا کرتے پھر رہے ہو۔''

''یہاں کال کرنے کا مطلب تو یہی ہوسکتا ہے کہ آپ سارے احوال سے واقف ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''اچھے جا رہے ہو۔ لیکن تم نے اُس سے کیا کہا ہے۔''

''اُسی کے گروہ کے ایک فرد کا رول ادا کر رہا ہوں۔''

''کیا قصہ ہے۔''

حمید اُسے بالتفصیل بتانے لگا کہ کس طرح جیروم ہاتھ لگا تھا۔

''ٹھیک ہے، اُسے روکے رکھو۔'' فریدی نے کہا۔

''یہیں یا کٹہرے میں۔''

''وہیں۔''

''آپ کیا کرتے پھر رہے ہیں۔''

لیکن اس سوال کے جواب میں اُس نے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سنی اور بھنا کر

ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

پھر اس کمرے میں واپس آیا جہاں جیروم کو چھوڑ گیا تھا۔

''میرے لئے کوئی ہدایت۔'' جیروم نے پوچھا۔

''یہی کہ تم اسی عمارت تک محدود رہو۔ کسی ایسی کھڑکی کے قریب بھی مت کھڑے ہونا جس سے دیکھ لیے جانے کا امکان ہو۔''

''کب تک......!''

''تا حکم ثانی۔''

وہ ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''آخر ہم نے خود ہی اپنی زندگیاں اپنے اوپر حرام کرلی ہیں۔''

''تم ذہنی طور پر بہت اُلجھ گئے ہو۔'' حمید اُسے گھورتا ہوا بولا۔

''مجھے ایسی باتیں سوچنے کی کیا ضرورت ہے؟''

''شاید بہت بہتر حالات میں زندگی بسر کررہے ہو۔''

''کیا تم ایڑیاں رگڑ رہے تھے۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''بہت چڑچڑے معلوم ہوتے ہو۔''

''مجھے بہت زیادہ عقلمند آدمیوں سے نفرت ہے۔''

''ایسے ہی معلوم ہوتے ہو۔'' اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''لیکن تم شاید سچ مچ زندگی سے بیزار ہوگئے ہو۔''

''کھلی ہوئی بات ہے ورنہ تم سے اتنی باتیں کیوں کرتا۔''

''یہ کیا بات ہوئی۔'' حمید نے کہا۔

''اگر بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئی تو تم نشے میں معلوم ہوتے ہو۔'' جیروم نے خشک لہجے میں کہا اور حمید سوچ میں پڑ گیا کہ کہیں اس سے کوئی غلطی تو نہیں ہوگئی۔ وہ جیروم کی حد تک اُسی تنظیم کے فرد کا رول ادا کررہا تھا اور اُسے تنظیم کے اصول وضوابط کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم تھا۔ اُسے محتاط رہنا چاہئے۔ لیکن وہ جیروم کی آنکھوں میں ایسے ہی انداز میں دیکھے جارہا تھا جیسے اپنے سوال کے جواب پر مصر ہو۔

''ہم آپس میں نجی گفتگو نہیں کرتے۔ اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔'' جیروم تھوڑی دیر بعد بولا۔

''تم مجھے کوئی نئی اطلاع نہیں بتا رہے لیکن مجھے دیکھو کہ میں نے تم پر اس سلسلے میں کوئی اعتراض نہیں کیا۔''

''ہاں...... یہ بات میرے لئے بھی عجیب ہے۔'' جیروم نے سر ہلا کر کہا۔

''لیکن میں نے نہ تمہارا نسب نامہ سنا ہے اور نہ اپنا سنایا ہے۔ اسی کو کافی سمجھتا ہوں۔ تم ذاتی طور پر دکھی ہو اور میں تمہارا ذاتی غم بٹانے پر تیار ہوں۔''

''مگر یہ بھی تنظیم کے قواعد وضوابط کے خلاف ہے۔''

''ہر تنظیم سے کچھ آزاد خیال لوگ بھی وابستہ ہوتے ہیں۔''

''آزاد خیالی کا نام لے کر تم بہت بڑا خطرہ مول لے رہے ہو۔''

''میں بہت دنوں سے موت کی تلاش میں ہوں۔''

''ہم سبھی ہیں۔''

''انسانی فطرت تبدیلی چاہتی ہے۔''

''تبدیلی کی خواہش تنظیم سے فرار کی طرف بھی لے جاسکتی ہے۔'' جیروم نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

''سمجھ دار لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ قواعد وضوابط کی بندش ناسمجھ لوگوں کے لئے ضروری ہوتی ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''انتہائی آزاد خیالی کے باوجود بھی میں تنظیم سے برگشتہ نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کی افادیت سے کما حقہ واقفیت رکھتا ہوں۔''

''اب میں ان باتوں میں سر نہیں کھپانا چاہتا۔'' جیروم اپنی پیشانی مسلتا ہوا بولا۔ ''کوئی اور بات کرو۔''

''وہ لڑکی بہت خوبصورت ہے جسے تم نے مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔''

''اوہ...... اُسے بھی نہ یاد دلاؤ۔''

''اگر اُسے مرنا ہی ہے تو اور کسی کے ہاتھوں مر جائے گی۔'' حمید نے کہا۔

''ضروری نہیں ہے۔ اُس کا تعلق تنظیم سے نہیں ہے۔''

''پھر تمہارے ہاتھوں کیوں ختم کرائی جا رہی تھی۔''

''میں کچھ نہیں جانتا۔ ختم کرو یہ باتیں۔ مجھے کب تک تنہا رہنا پڑے گا۔ تنہائی میں میرا دم گھٹتا ہے۔''

''میں اس کے بارے میں کیا بتا سکوں گا۔''

''میں نے یہاں ایک الماری میں میک اپ کا سامان بھی دیکھا ہے۔''

''کبھی کبھی مجھے میک اپ میں بھی رہنا پڑتا ہے۔'' حمید بولا۔

''کیا ہم میک اپ میں بھی یہاں سے نکل سکتے ہیں؟''

''نکل تو سکتے ہیں، لیکن اس کی ضرورت......!''

''دیواروں کے درمیان میرا دم گھٹتا ہے۔''

''مجھے تم سے ہمدردی ہے لیکن میں ایسا کوئی قدم نہیں اُٹھا سکتا۔''

جیروم کچھ نہ بولا۔ حمید نے جیب سے تمباکو کا پاؤچ نکالا اور سگریٹ رول کرنے لگا۔ میک اپ میں وہ پائپ کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد جیروم نے کہا۔ ''تو پھر تم مجھے تنہا چھوڑ جاؤ گے۔''

''تھوڑی دیر کے لئے۔'' حمید بولا۔ ''بہر حال میں رات یہیں گزاروں گا کیونکہ یہیں رہتا بھی ہوں۔ پچھلی رات کسی کام سے باہر رہنا پڑا تھا۔''

''تم یہاں تنہا رہتے ہو۔''

''فی الحال تنہا ہی سمجھ لو۔''

''اوہو.....تو کیا مستقبل قریب میں تنہائی رفع ہونے والی ہے۔''

''شاید ہو ہی جائے کیونکہ میں عنقریب ایک السیشین کتیا خریدنے والا ہوں۔''

''کتیا خریدنے والے ہو۔'' اس نے مایوسانہ انداز میں دہرایا۔

''کیوں کیا تمہیں افسوس ہوا؟''

''میں سمجھا تھا شاید شادی کرنے والے ہو۔''

''نہیں بھائی۔ کتیا خواہ دن رات بھونکتی رہے اسکی زبان میری سمجھ میں نہیں آئے گی۔''

''عورت کی زبان سے ڈرتے ہو۔''

''اگر میری کھوپڑی میں کتے کا مغز ہوتا تو قطعی نہ ڈرتا۔''

''بزدل......!'' جیروم ہنس کر بولا۔

''تم گلا گھونٹ کر مار سکتے ہو۔ مجھ سے تو یہ بھی نہیں ہو سکے گا۔''

''تو ابھی تک کوئی عورت تمہاری زندگی میں نہیں آئی۔''

''عورتوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا فن مجھے نہیں آتا۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا ''یا پھر لاشعوری طور پر میں چاہتا ہی نہیں کہ کوئی عورت میری طرف آئے۔''

''میں سمجھ گیا ہوں۔ تم صرف عورتوں کی زبان سے ڈرتے ہو۔''

''شاید یہی بات ہے۔''

''اس کی بھی ایک تدبیر ہے۔'' جیروم مسکرا کر بولا۔ ''جب دیکھو کہ کوئی عورت آسمان سے زمین کی طرف آ رہی ہے اُس سے فوراً کنارہ کشی اختیار کرلو۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''جب تک صرف محبت کی باتیں کرتی رہے اُس سے تعلق رکھو اور جیسے ہی محسوس کرو کہ زبان میں تلخی پیدا ہو رہی ہے چھوڑ بھاگو۔''

''بھاگتے بھاگتے زندگی گزر جائے گی۔''

''کسی سے دوستی بھی نہ ہوگی تمہاری۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

''خود کو ضائع کر رہے ہو۔'' وہ پُر تشویش لہجے میں بولا۔ ''پھر کہتا ہوں کہ ہم میک اپ میں یہاں سے نکل چلیں۔ پھر میں تمہیں دکھاؤں کہ زندگی کیا چیز ہے اور عورت کے بغیر لایعنی ہے۔ دشواری یہ ہے کہ مجھے میک اپ کرنا نہیں آتا ورنہ نکل گیا ہوتا۔''

''تمہاری دوسری آنکھ کا کیا ہوگا۔''

''وہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ تاریک شیشوں کی عینک لگا لوں گا۔''

''اچھی بات ہے، لیکن کہیں مارے نہ جائیں۔''

''کیا تم کبھی میک اپ میں پہچانے جا سکے ہو۔''

''ابھی تک تو ایسا نہیں ہوا۔''

''اب بھی نہیں ہوگا۔''

''ذرا مجھے سوچنے دو۔''

''اب کیا سوچو گے۔''

''یہی کہ کہیں یہ فعل تنظیم سے غداری کے زمرے میں تو نہیں آتا۔''

''ابھی تم خود ہی کہہ رہے تھے کہ اصول وضوابط سمجھ دار لوگوں کے لئے نہیں ہوتے۔''

''بکواس کرنے میں کیا لگتا ہے۔''

''نہیں، میں تم سے اس مسئلے پر متفق ہو گیا تھا اور ہے بھی۔ سوچنے کی بات۔ ہم خواہ اپنی نجی زندگیوں میں بھی کچھ کریں ہمارے دل تنظیم ہی کے ساتھ ہوں گے۔ قواعد وضوابط کی پابندی اسلئے کرائی جاتی ہے کہ ضمیر کی تشکیل ہو جائے۔ ہمارا ضمیر تشکیل پا چکا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی میں اُس عورت کو مار ڈالنے کی کوشش کیوں کرتا؟ یقین کرو مجھے اُس سے محبت ہے۔''

''اچھی بات ہے۔'' حمید طویل سانس لیکر بولا۔ ''میں تمہاری شکل تبدیل کر دوں گا۔''

انور کو فریدی یا حمید کی تلاش تھی۔ کیونکہ انسپکٹر آصف بُری طرح اُس کے سر ہو رہا تھا۔ انور نے جیرالڈ شاستری کے ہم شکل کی پبلسٹی فریدی کے ایماء پر کی تھی۔ پھر آصف جوڈی تک بھی جا پہنچا۔ وہ اُسے بتا چکی تھی کہ تجرباتی پولٹری فارم کی لیبارٹری انچارج ہے۔ ان کی ملاقات انور کے فلیٹ ہی میں ہوئی تھی۔ لیکن جب آصف پولٹری فارم پہنچا تو جوڈی نے اُسے پہچاننے ہی سے انکار کر دیا۔ جب اُس نے انور کے فلیٹ کا حوالہ دیا تو اُس نے اُس سے بھی لاعلمی ظاہر کی۔ سرے ہی سے انکار کر دیا کہ وہ کسی کرائم رپورٹر سے ملی تھی۔ دراصل آصف سے پہلے حمید اُس سے مل چکا تھا اور اُس نے اُسے جیسی پٹی پڑھادی تھی اُسی کے مطابق وہ آصف سے پیش آئی۔ آصف اُسے شریفانہ انداز میں دھمکیاں دے کر پھر انور کی طرف پلٹ آیا۔

ادھر انور نے تو گویا بھس میں چنگاری ہی ڈال دی۔ کہنے لگا۔ ''تم پتا نہیں کس لڑکی کی

بات کرر ہے ہو۔ ایسی کوئی لڑکی مجھ سے ملنے نہیں آئی تھی تم نے خواب دیکھا ہوگا۔''

ظاہر ہے کہ آصف پاگل ہوگیا ہوگا۔ جو کچھ زبان پر آیا تھا بے تکان کہتا چلا گیا تھا اور شاید پھانسی تک کی ''نوید'' سنا کر رخصت ہوگیا تھا۔ انور نے سوچا خواہ مخواہ الجھن میں پڑنے سے کیا فائدہ۔ فریدی کو اس کی اطلاع دے دینا چاہئے۔ وہ خود ہی آصف کو سنبھال لے گا۔

اسی تلاش کے دوران میں ایک جگہ قاسم سے مڈبھیڑ ہوگئی اور اُس نے اُس سے حمید کے بارے میں پوچھا۔

''میں خود ہی ڈھونڈ رہا ہوں سالے قو۔'' وہ آنکھیں نکال کر بولا۔

''کیوں، تمہیں کیا تکلیف ہے؟''

قاسم اُسے قہر آلود نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ ''پہلے خود ہی تیار تھی۔ اب انکار قر دیا۔''

''کیا مطلب......کیا کہہ رہے ہو۔ کس نے انکار کر دیا۔''

''فلم اسٹار شاداں نے۔''

''میں اب بھی نہیں سمجھا۔''

''فلم اسٹار شاداں کس بات سے انکار قر دے غی۔'' قاسم نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں پوچھا۔

''بھئی میں کیا بتا سکتا ہوں۔ تم ہی بتاؤ گے۔''

''اچھا تو بتاتا ہوں۔ سنو......سالے نے قیا قر دیا ہے۔'' کہہ کر سانس لینے کے لئے رکا اور پھر بولا۔ ''وہ میری بزنس پارٹنر بننے والی تھی۔ سالے نے اُسے بہکا دیا۔''

''تم لفظ سالے پر اس قدر کیوں زور دے رہے ہو۔''

''ہر جگہ سالا بن جاتا ہے۔ اچھا تم ہی بتاؤ، قیا میری بیوی اُس کی سگی بہن ہے۔''

''میں کیا جانوں۔''

''نہیں ہے......لیکن جہاں قسی عورت نے مسکرا کر میری طرف دیکھا جھٹ سے سالا بن جاتا ہے۔''

''اچھی بات ہے۔ ہم دونوں مل کر اُسے تلاش کرتے ہیں۔ تم ذہن پر زور دے کر بتاؤ کہ وہ کہاں مل سکے گا۔''

''خود سالا ہر عورت کو مسکرا کر دیکھتا ہے۔'' قاسم اُس کی بات پر دھیان دیئے بغیر اپنی رو میں بولتا چلا گیا۔ ''تمہاری رشیدہ کو بھی مسکرا کر دیکھتا ہے اور تم اتنے بے غیرت ہو کہ کچھ نہیں کہتے۔ مارو سالے کو۔''

''ملے بھی تو۔''

''مارو نغے۔''

''چلو تلاش کرتے ہیں۔''

''قیسے چلوں۔ میں غاڑی میں ہوں......تم موٹر سائیکل پر۔''

''میں پیچھے پیچھے آ رہا ہوں۔ جہاں اس کے ملنے کا امکان ہو وہیں گاڑی روک دینا۔''

''قیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں جھک مارتا پھر رہا ہوں۔'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

''ہوسکتا ہے ہم دونوں مل کر تلاش ہی کر لیں۔''

''جہنم میں جائے....اب میں شاہینہ پہلوان کے پاس جاؤں غا....شاداں کی ایسی قی تیسی۔''

''شاہینہ پہلوان کہاں سے آ ٹپکی۔''

''اب اس کے اکھاڑے کی ترقی کراؤں غا۔''

''کیا تم اُسے جانتے ہو؟''

''نام سنا ہے۔''

''کبھی ملے بھی ہو۔''

''نہیں تو...... سنا ہے کہ وہ اپنے اکھاڑے کو ترقی دینا چاہتی ہے لیکن مالی حالت اجازت نہیں دیتی۔''

''تو تم اس کی مالی امداد کرنا چاہتے ہو۔''

''یہی بات ہے۔''

''آج کل مجھے بھی مالی امداد کی ضرورت ہے۔''

''تو پھر میں قیا قروں۔''

''شاہینہ کو کہاں تلاش کرتے پھرو گے۔ میں تمہارے سامنے موجود ہوں اور تم انسانی ہمدردی سے اس قدر بھرپور ہو کہ پھٹے پڑتے ہو۔''

''لل...... لیقن ...... لیقن ......!'' قاسم ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

''اب کیا پریشانی ہے۔ میری مدد کر کے دلی سکون حاصل کرو۔''

''اے بس جاؤ!'' قاسم کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولا۔ ''قیا تم لونڈیا ہو۔''

''تو صرف لونڈیوں کی مدد کرتے ہو۔''

قاسم نے جھینپے ہوئے انداز میں سر ہلا دیا۔

''ابے او موٹے خبیث سرمایہ دار ...... یہ انسانی ہمدردی نہیں، عیاشی ہے۔'' انور دانت پیس کر بولا۔

''مم...... میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔'' قاسم نے دروازہ کھول کر گاڑی سے نیچے اُترنے کی کوشش کی۔

''بس بُرا مان گئے۔'' انور ہنس کر بولا۔

''تم مجھے غالیاں دے رہے ہو۔''

''تم غلط سمجھے! میں نے تو اُس آسیب کو گالی دی تھی جو تم پر مسلط ہے۔''

''آسیب......!'' قاسم کی ذہنی رو بہک گئی۔ چشم زدن میں آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔

''ہاں آسیب! میں دیکھ رہا ہوں۔ تمہیں احساس نہیں ہوتا۔''

''اچھا......!'' قاسم ہونقوں کی طرح منہ پھاڑ کر رہ گیا۔

''کسی دن تمہیں سمندر میں ڈبو دے گا۔''

''ارے باپ رے۔'' قاسم تھوک نگل کر رہ گیا۔ پھر قبل اس کے کہ انور مزید کچھ کہتا وہ خوفزدہ آواز میں بڑبڑایا۔ ''اب میں سمجھ غیا...... ارے باپ رے۔''

انور نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں اور آہستہ سے بولا۔ ''مجھے ضرور بتاؤ، شاید میں تمہاری کچھ مدد کر سکوں۔''

''میں قبھی قبھی ...... سوچا کرتا ہوں کہ جا کر سمندر میں ڈبکیاں لگاؤں۔'' قاسم ہانپتا ہوا بولا۔

''چلو ثابت ہو گیا۔'' انور طویل سانس لے کر بولا۔ ''وہی تمہارے ذہن میں ڈالا کرتا ہے کسی دن سچ مچ جا کر ڈوب مرو گے۔''

''پھر میں قیا قروں انور بھائی۔''

''تم کیا کر سکتے ہو۔ خیر میں کسی عامل کامل کو تلاش کروں گا۔''

''جلدی کرو۔''

''جب تک حمید نہیں مل جاتا، میں تمہارے لئے کچھ بھی نہ کرسکوں گا۔''

''اچھا تو چلو ڈھونڈیں۔''

اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور رولز آگے بڑھ گئی۔ انور کی موٹر سائیکل اُس کے پیچھے تھی۔ لیکن وہ اس سے بے خبر تھا کہ آصف کے دو ماتحت خود اس کا تعاقب کر رہے ہیں۔ وہ دونوں بھی موٹر سائیکلوں ہی پر تھے۔

انور اب یہ بھی سوچ رہا تھا کہ قاسم کے ساتھ وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ۔ اپنے ہی طور پر کچھ کرنا چاہئے۔ لہٰذا ایک جگہ جب قاسم ٹریفک کی بھیڑ میں پھنس گیا تو اس نے اپنی موٹر سائیکل آگے نکال لی۔ اُسے یقین تھا کہ قاسم کو اس کی خبر تک نہ ہوسکی ہوگی۔ وہ تیزی سے آگے نکلا چلا گیا۔ سوچ رہا تھا کہ حمید جوڈی سے صرف ایک ہی بار نہ ملا ہوگا۔ کیوں نہ اُسی سے پوچھ گچھ کی جائے۔ اس وقت وہ ڈیوٹی ہی پر ہوگی۔ لہٰذا اُس نے موٹر سائیکل تجرباتی پولٹری فارم کے راستے پر ڈال دی۔

شہری آبادی سے نکل آنے کے بعد ہی اُسے ان دونوں موٹر سائیکلوں کا علم ہوسکا تھا جو اُس کا تعاقب کر رہی تھیں۔ اس نے اپنی موٹر سائیکل کی رفتار کم کردی۔ دیکھنا چاہتا تھا کہ کون لوگ ہیں تعاقب کرنے والے۔ شاید فوری طور پر اندازہ نہیں لگا سکے تھے کہ اُس نے رفتار کم کردی ہے ورنہ وہ بھی فاصلہ برقرار رکھنے کی کوشش کرتے اور پھر انور نے ان میں سے ایک کو آصف کے ماتحت کی حیثیت سے پہچان لیا۔ اب بات بگڑ سکتی تھی اگر وہ سیدھا تجرباتی پولٹری فارم کی طرف چلا جاتا۔ اس نے پھر ایک دم رفتار بڑھائی اور یوٹرن لے کر واپسی کے لئے پلٹ پڑا۔ یوٹرن لیتے وقت اگر حاضر دماغی آڑے نہ آئی ہوتی تو ایک ایمبولینس گاڑی سے یقینی ٹکر ہوجاتی جو مخالف سمت سے آرہی تھی۔ تعاقب کرنے والی موٹر سائیکلیں آگے نکلی چلی گئی تھیں۔ ایمبولینس گاڑی کے بریک چڑچڑائے اور انور کی موٹر سائیکل اس کی اگلی نشست والے دروازے سے صرف ایک فٹ کے فاصلے پر رکی تھی۔

ایمبولینس گاڑی کا ڈرائیور سختی سے ہونٹ بھینچے اُسے دیکھے جا رہا تھا پھر قبل اس کے کہ

انور کچھ کہتا اس نے کوئی سیال شے اُس کے چہرے پر اُچھال دی اور انور کو فوری طور پر ایسا محسوس ہوا جیسے پورا چہرہ تیز آنچ میں جھلس کر رہ گیا ہو۔ دماغ چکرا گیا اور غشی طاری ہوتے ہوتے اس نے سوچا، کیا اُس کے چہرے پر تیزاب پھینکا گیا ہے۔ تت...... تیزاب...... اور اس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

دونوں ہپیوں کے روپ میں باہر نکلے تھے۔ جیروم کا میک اپ بھی حمید ہی نے کیا تھا اور اُس نے آنکھ والا عیب چھپانے کے لئے تاریک شیشوں کی عینک لگالی تھی۔

خود حمید گویا دوہرے میک اپ میں تھا۔

یعنی عدنان خلیلی کے میک اپ پر گھنی ڈاڑھی اور مونچھوں کا اضافہ کیا تھا۔

حمید نے اپنی دانست میں یہ کوئی احمقانہ قدم نہیں اُٹھایا تھا بلکہ یہ دیکھنا چاہتا تھا جیروم کی تجویز کا مقصد کیا ہے؟ اس طرح وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ اُسے کہاں لے جانا چاہتا ہے۔

ٹیکسیوں کے اڈے پر پہنچ کر حمید نے اُس سے پوچھا ''کہاں چلو گے۔''

''جہاں دل چاہے لے چلو۔'' اس نے جواب دیا۔ ''میں تو کھلے آسمان کے نیچے آنا چاہتا تھا۔''

''سوال یہ ہے کہ میں ہی تمہیں کہاں لے چلوں۔''

''چلو تو پھر یونہی بے مصرف مارے مارے پھرتے ہیں۔''

''بے مصرف پھرنا تو میرے بس سے باہر ہے۔'' حمید بولا۔

''کسی ایسے ہوٹل میں چلیں جہاں فلور شو ہوتا ہو۔''

''آج کل ایسے ہوٹلوں میں ہپی نہیں گھسنے پاتے۔''

''یہ عجیب ملک ہے۔ ہاں میں نے تم سے ابھی تک نہیں پوچھا کہ تم کس ملک سے تعلق رکھتے ہو۔''

''میں ترک ہوں۔''

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ ترک بھی تنظیم میں شامل ہیں۔''

''تم کیا جانو! یہ ایک بین الاقوامی تنظیم ہے۔'' حمید نے کہا۔

''اس حد تک اندازہ نہیں تھا۔ بھلا ترکوں کو اس تنظیم سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔''

''پھر نجی معاملات چھیڑ دیئے تم نے۔ یہ ہم ہی بہتر سمجھ سکتے ہیں کہ ہمیں تنظیم سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔''

''اوہ......معاف کرنا۔ میں بھول گیا تھا۔''

دونوں بڑی دیر تک پیدل ہی سڑکوں پر پھرتے رہے۔ بھوک لگی تو ایک عوامی ہوٹل میں جا بیٹھے جس کی فضا سیخ کے کبابوں سے مہکی ہوئی تھی۔

''اس خوشبو نے بار بار مجھے اپنی طرف کھینچا ہے۔'' جیروم ناک سکوڑ کر مزید خوشبو حاصل کرتا ہوا بولا۔ ''لیکن کبھی ہمت نہیں پڑی۔ پتا نہیں کیا چیز ہو۔''

''تم نے اچھا ہی کیا تھا۔ ورنہ صبح ہی صبح ٹھنڈے پانی کے لئے تڑپتے۔ خیر میں دیکھتا ہوں۔ بعض ہوٹل والے ایسا مواد صرف چٹنی تک محدود رکھتے ہیں۔'' اس نے کہا اور پھر ایک لڑکے کو بلا کر پوچھا۔ ''ادھر کباب میں مرچ ہوتا۔''

''نہیں صاحب۔'' لڑکے نے جواب دیا۔ ''چٹنی میں ہوتا۔''

''اچھا اچھا......صرف کباب لاؤ......دو درجن۔''

لڑکا چلا گیا اور جیروم نے کہا۔ ''میں ایسے کسی ہوٹل میں کبھی نہیں بیٹھا۔''

''لذیذ کھانے ایسے ہی ہوٹلوں میں ملتے ہیں۔ کسی دن تمہیں بھینس کے پائے اور اوجھڑی کی حلیم بھی کھلواؤں گا۔''

''یہ کیا چیزیں ہیں۔''

''بس کھانے سے تعلق رکھتی ہیں۔''

کباب آئے اور کھائے گئے۔ جیروم نے تعریفوں کے پل باندھ دیئے۔ ہوٹل سے نکل کر پھر آوارہ گردی شروع کر دی۔

تھوڑی دیر بعد جیروم بولا۔ ''اب کہیں بیٹھ کر پئیں گے۔''

''اس سلسلے میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکوں گا۔ صرف تم ہی پیو گے۔''

''تو پھر میں بھی نہیں پیئوں گا۔ خرید کر ساتھ لے چلیں گے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد جیروم نے پوچھا۔ ''کیا تم مجھے جوڈی کے بارے میں کچھ بتا سکو گے۔''

''میں اُس کے بارے میں کیا بتا سکتا ہوں۔''

''تم نے اُسے دوبارہ بھی دیکھا تھا۔''

''نہیں تو۔ اس کی ضرورت بھی کیا تھی۔ تم بار بار یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ ہم اپنے کام سے کام رکھتے ہیں اور اتنا ہی کرتے ہیں جتنا کہا جاتا ہے۔''

''میں معافی چاہتا ہوں۔ کہیں میرا دماغ نہ خراب ہو جائے۔ ایسی ٹریجڈی دنیا کی تاریخ میں نہیں ملے گی۔''

''کیسی ٹریجڈی۔''

''کیا یہ ٹریجڈی نہیں ہے کہ ایک چاہنے والے نے اپنی محبوبہ کو مار ڈالنے کی کوشش کی۔''

''ہماری محبوبہ ہماری تنظیم ہے۔'' حمید بولا۔

''آئیڈیل ازم میرے حلق سے نہیں اترتا۔''

''غداری کی بو آنے لگی ہے تمہاری باتوں سے۔''

''نہیں۔'' جیروم خوفزدہ لہجے میں بولا۔ ''مجھے غلط نہ سمجھو۔ میں بہت دکھی ہوں۔ وہ تنظیم کی محبت ہی تھی جس نے مجھے اس فعل پر آمادہ کیا تھا۔''

''غیر محتاط ہو کر گفتگو مت کیا کرو۔'' حمید نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

''میں تمہارا شکر گزار ہوں دوست۔ تمہاری جگہ اور کوئی ہوتا تو کب کا مجھے گولی مار چکا ہوتا۔ لیکن یقین کرو کہ اُس واقعے کے بعد سے میرا ذہن میرے قابو میں نہیں رہا ہے۔''

''واقعی میں پاگل ہو گیا ہوں۔''

''نہیں! اسے اپنے ذہن سے جھٹک دینے کی کوشش کرو۔''

''میری طبیعت بگڑ رہی ہے۔ مجھے گھر لے چلو۔'' وہ چلتے چلتے لڑکھڑا کر بولا۔ حمید نے سہارا دے کر اُسے سنبھالا تھا۔ پھر ایک ٹیکسی رکوائی اور وہ دونوں قیام گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

''اب کیا حال ہے؟'' حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔ لیکن اُس نے جواب نہ دیا۔ سیٹ

کی پشت سے ٹکا ہوا تھا اور جسم کی پوزیشن سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے ہوں۔

''کیسی طبیعت ہے۔'' حمید نے بازو پکڑ کر ہلایا اور وہ کسی بے جان آدمی کی طرح اُس پر آ گرا۔ بدقت تمام حمید اُسے پھر سیدھا بٹھا سکا۔ نبض تو ٹھیک ہی چل رہی تھی۔ البتہ سانسیں کسی قدر اُلجھ اُلجھ کر آ رہی تھیں اور شاید وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔

ہوش آ جانے پر بھی بہت دیر تک اس کی سمجھ ہی میں نہ آ سکا کہ وہ کس پوزیشن میں ہے اور کہاں ہے۔ یادداشت اُسے اُس واقعے کی طرف نہ لے جا سکی جس کی بناء پر بے ہوش ہوا تھا۔ غالباً اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اب وہ اپنے چہرے پر وہ جلن نہیں محسوس کر رہا تھا جس سے بے ہوش ہو جانے سے قبل دوچار ہوا تھا۔

اس نے آنکھیں بند کر لیں اور دوبارہ سو جانے کی کوشش کرنے لگا۔ غالباً سمجھ رہا تھا کہ وہ اپنے بستر پر ہے۔ یوں بھی اکثر رات کو اچانک آنکھ کھل جاتی تھی اور تھوڑی دیر بعد وہ پھر گہری نیند سو جایا کرتا تھا۔ اس وقت بھی وہی عمل دہرانے کی کوشش کی اور ٹھیک اسی لمحے میں جب ذہن پر پھر غنودگی طاری ہونے لگی تھی۔ دفعتاً شعور میں ایک جھماکا سا ہوا اور یادداشت کی سطح پر وہ وقوعہ اُبھر آیا جس کی بناء پر بے ہوشی طاری ہوئی تھی۔ وہ بوکھلا کر اُٹھ بیٹھا۔ تو پھر یہ اندھیرا کیسا۔ کیا اُس نئے وقوعے کی بناء پر وہ اپنی بینائی کھو بیٹھا ہے۔ لیکن وہ ہے کہاں۔ مضطربانہ انداز میں اپنے چاروں طرف ٹٹولنے لگا۔ وہ ایک نرم اور آرام دہ بستر تھا۔ لیکن یہ اندھیرا کیوں؟ کیا سچ مچ وہ اپنی بینائی کھو بیٹھا ہے۔ بستر سے نیچے پیر لٹکائے جو فرش پر ٹک گئے۔ پھر وہ بستر سے اُٹھ ہی رہا تھا کہ چاروں طرف روشنی پھیل گئی۔ تیز قسم کی روشنی۔ انور کی آنکھیں چندھیا کر رہ گئیں۔ تو گویا..... تو گویا اُس کی بینائی محفوظ تھی۔ اس خوشی میں وہ سب کچھ بھول کر فوری ردِعمل کے طور پر اُس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ پھر آہستہ آہستہ کھولیں۔

وہ ایک عمدہ قسم کی خواب گاہ تھی۔ واہ۔ تو اس کا اغواء ہوا تھا۔ اس تصور نے اُسے خاصا محظوظ کیا۔ لیکن یہ اغواء کنندگان کون ہو سکتے ہیں۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا اور اُٹھ

کر ہینڈل گھمانے لگا لیکن دروازہ نہ کھلا۔

''بیکار ہے مسٹر انور۔'' عقب سے آواز آئی اور وہ اچھل پڑا۔ تیزی سے مڑا تھا لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ وہ اسے سماعت کا واہمہ سمجھنے پر بھی تیار نہ تھا۔ پھر وہ اپنی گدی سہلا ہی رہا تھا کہ آواز پھر آئی۔ ''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم بالکل محفوظ ہو۔ نہ صرف تم بلکہ تمہاری موٹر سائیکل بھی۔''

''تم کون ہو، سامنے آؤ۔''

''یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ میں تم سے کوسوں دور ہوں۔ صرف میری آواز ہی تم تک پہنچ سکتی ہے۔''

''اس ملاقات کا مقصد۔'' انور نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

''تم بہت ذہین آدمی ہو۔''

''شکریہ۔ یہ تم مجھے فون پر بھی بتا سکتے تھے۔ اس کے لئے اتنی زحمت کیوں کی۔''

''تمہاری میزبانی کا شرف بھی حاصل کرنا چاہتا تھا۔''

''نادیدہ میزبان! اس مہربانی کی وجہ۔''

''تمہاری وجہ سے ہمارا ایک کھیل بگڑ گیا۔ تم نے جیرالڈ شاستری کی واپسی کی خبر اُس طرح نہیں چھاپی جس طرح ہم چاہتے تھے۔ تم نے اس سلسلے میں شاید کرنل فریدی کے مشورے پر عمل کیا تھا۔''

''تمہارا خیال غلط نہیں ہے۔''

''اور اب تم ہمارا ایک کام اُسی طرح کرو گے جس طرح ہم کہیں گے۔''

''ہوسکتا ہے۔ لیکن میں کوئی کام معاوضے کے بغیر نہیں کرتا۔''

''معاوضہ دینا ہوتا تو ہم میں سے کوئی تمہارے دفتر میں حاضری دیتا۔''

''پھر میں تمہارا کوئی کام نہیں کرسکتا۔''

''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہاں سے نکل جانے میں کامیاب ہوجاؤ گے۔ مسٹر انور کسی وہم میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم یہیں کھڑے کھڑے پل بھر میں مر سکتے ہو۔''

''میرے لئے مرجانا کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں ہوسکتا۔''

''بیوقوفی کی باتیں مت کرو۔''

''میں نے تمہیں حقیقت سے آگاہ کیا ہے۔''

''خیر ان باتوں کو چھوڑو۔ معاوضے کے مسئلے پر بھی غور کیا جاسکتا ہے۔''

''بات صاف نہیں ہوئی۔ شبہ باقی ہے اور پھر ابھی تک یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ مجھے کرنا کیا ہوگا۔''

''جیرالڈ شاستری سے متعلق دوسری خبر فلیش کرو گے۔''

''کیا نوعیت ہوگی اُس خبر کی۔''

''یہی کہ اگر کرنل فریدی کو جیرالڈ شاستری کے حوالے نہ کر دیا گیا تو پورا شہر کھنڈر بن جائے گا۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ جیرالڈ شاستری حکومت کو چیلنج کر رہا ہے۔''

''ہاں...... یہ خبر اسی تاثر کے ساتھ فلیش کی جائے گی۔''

''اور اس کے بعد میری گردن کہاں ہوگی۔ میں حکومت کے ذمہ داروں کو کس طرح یقین دلاؤں گا کہ یہ میری ذہنی اختراع نہیں ہے۔''

''فریدی کی قیام گاہ کا ایک حصہ منہدم ہوگیا ہے۔ اس کے بارے میں تمہارے ماہرین کی کیا رائے ہے۔'' سوال کیا گیا۔

''ابھی تک کوئی رائے نہیں قائم کی جاسکی۔''

''بالکل اسی طرح پورا شہر کھنڈروں میں تبدیل ہوسکتا ہے۔''

''تمہاری یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔''

''جیرالڈ دوسری دنیا سے واپس آیا ہے۔ اسے آسیب سمجھو۔ تم پر بھی مسلط ہوسکتا ہے اور تم ہی شہر میں تباہی پھیلا سکتے ہو۔''

''اب تو تم نے اس بات کو اور زیادہ گنجلک بنا دیا۔''

''تم جیرالڈ شاستری کے زیرِ سایہ آچکے ہو مسٹر انور اور اب تم بلا معاوضہ اُس کے احکامات کی تعمیل کرو گے۔''

''یہ کیا بات ہوئی؟''

''میں کوسوں دور سے اُسے تم پر مسلط ہوتے دیکھ رہا ہوں۔''

''گویا تم بھی کوئی بدروح ہو۔''

''دھوپ میں چلتے وقت اپنی پرچھائیں پر نظر رکھنا۔''

''شائد تم بہت زیادہ پی گئے ہو۔'' انور بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''شب بخیر۔'' کہا گیا اور پھر سناٹا چھا گیا۔ انور کو ایسا محسوس ہوا جیسے کانوں میں سیٹیاں سی بجنے لگی ہوں۔ تھوڑی دیر تک یہی کیفیت رہی اور پھر وہ دوبارہ دروازے کی طرف مڑا اور اس کے ہینڈل پر زور آزمائی کرنے لگا۔ لیکن بے سود۔ دروازہ نہ کھل سکا۔ تھک ہار کر پھر بستر پر آبیٹھا۔ گھڑی میں وقت دیکھنے پر معلوم ہوا کہ بے ہوش ہونے سے اب تک پورے بارہ گھنٹے گزر چکے ہیں۔

پتا نہیں کیا چکر ہے۔ وہ سوچ رہا تھا۔ ویسے یہ بات اُس کی سمجھ میں آ گئی تھی کہ مجرموں کو فریدی کی تلاش ہے۔ لیکن کیوں؟

اُس نے جیرالڈ کے ہم شکل کو جس عمارت میں دیکھا تھا وہیں وہ دونوں بھی رہتے تھے جنہوں نے فریدی کی گاڑی پر فائرنگ کی تھی اور بالآخر اسی کے ہاتھوں مارے گئے تھے یا زخمی ہوئے تھے اور فریدی کی گاڑی میں ایک عورت بھی تھی جس پر کوئی الزام تھا اور وہ انہی دونوں کی فائرنگ سے ہلاک ہوگئی تھی اور یہ قصہ شروع ہوا تھا ایک فلم کی شوٹنگ سے جس میں ہیرو اپنے گھوڑے سمیت چور چور ہوگیا تھا۔

اچانک اُسے اس نادیدہ آدمی کی لایعنی باتیں یاد آئیں۔ جیرالڈ کا بھوت جس کا سایہ اُس پر بھی ہوسکتا ہے، اور وہ دھوپ میں چلتے وقت اپنی پرچھائیں پر نظر رکھے۔ یہ سب کیا بکواس تھی۔ لیکن اس کا اس طرح یہاں لایا جانا بے مقصد تو نہیں ہوسکتا۔ وہ یقیناً فریدی پر ہاتھ ڈالنا چاہتے ہیں گویا کسی اور کی اُن کی نظروں میں کوئی وقعت نہیں ہے۔ صرف فریدی ہی اُن کی مجرمانہ مصروفیات میں مداخلت کرسکتا ہے۔ خدا جانے اُسے کس طرح اس مقصد کے حصول کے لئے آلہ کار بنایا جائے۔

پورے بارہ گھنٹے گزر جانے کے بعد بھی اُسے بھوک نہیں محسوس ہوئی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے رات کا کھانا کھا چکا ہو اور اب آہستہ آہستہ نیند بھی اُس کے ذہن پر مسلط ہوتی جارہی

تھی۔ بستر پر لیٹ گیا اور پھر پتہ ہی نہ چل سکا کہ کب نیند آ گئی۔

دوسری بار آنکھ کھلنے پر تو بھونچکا ہی رہ گیا۔ کیونکہ وہ کسی پبلک پارک کی بنچ پر جاگا تھا۔ گویا بیٹھے ہی بیٹھے سوتا رہا تھا۔ بنچ ایک گھنیرے درخت کے سائے میں تھی جس کے آگے کچھ فاصلے پر دھوپ پھیلی ہوئی تھی اور قریب ہی کی ایک روش پر اس کی اپنی موٹر سائیکل کھڑی نظر آئی۔ بوکھلا کر اُٹھ بیٹھا۔ گھڑی پر نظر ڈالی۔ نو بجے تھے۔ پچھلے دن کے سارے واقعات ایک ایک کر کے نظروں کے سامنے پھر گئے اور وہ بوکھلا کر اپنی موٹر سائیکل کی طرف بڑھا ہی تھا کہ یک بیک ٹھٹک کر رہ گیا۔ نادیدہ آدمی کی یہ ہدایت یاد آ گئی تھی کہ دھوپ نکلتے وقت اپنی پرچھائیں پر نظر رکھنا۔ پارک میں اس وقت سناٹا تھا۔ اُس کے علاوہ دور دور اور کوئی نہیں دکھائی دیتا تھا۔

وہ وہیں کھڑا اپنی پرچھائیں کو گھورتا رہا۔ دفعتاً اُس کی پرچھائیں سے ایک اور پرچھائیں نکلی اور وہ اچھل کر پیچھے ہٹ آیا۔ اس کی پرچھائیں اپنی جگہ پر برقرار تھی لیکن اُس سے نکلی ہوئی دوسری پرچھائیں ایک جانب آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی۔ جیسے ہی اُس کا ایک حصہ ایک بنچ پر پڑا وہ چور چور ہوگئی۔ پھر وہ ایک درخت کی طرف جھپٹی اور درخت کا تنا بیچ سے دو ٹکڑے ہو گیا۔ وہاں سے اس نے پارک کے ایک جنگلے کی طرف دوڑ لگائی اور انور نے دیکھا کہ لوہے کے جنگلے کا ایک حصہ بھی پاش پاش ہوگیا۔

پھر اُسے اتنا ہوش کہاں تھا کہ وہ کچھ اور بھی دیکھتا۔ بدحواسی سے موٹر سائیکل کی طرف دوڑا۔ غنیمت ہی تھا کہ پارک سے سڑک آتے آتے کوئی ایکسیڈنٹ نہیں ہوا۔ موٹر سائیکل بڑی تیز رفتاری سے سڑک پر دوڑ رہی تھی اور وہ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ دوسری پرچھائیں پارک ہی میں تباہی پھیلاتی رہ گئی تھی یا دوبارہ اُس کی پرچھائیں میں ضم ہوگئی تھی۔

جیروم بڑی مشکل سے ہوش میں آیا تھا۔ بے ہوشی ہی کے عالم میں حمید نے کسی طرح کھینچ کھانچ کر ٹیکسی سے اُتارا اور برآمدے میں ڈال دیا اور ٹیکسی والے کو کرایہ ادا کرتے

وقت بولا۔ ''بہت پی گیا ہے؟''

اس نے بھی یونہی خواہ مخواہ دانت نکالے اور کرایہ لے کر رفو چکر ہوگیا۔ حمید نے دروازہ کھولا پھر جیروم کی بغلوں میں ہاتھ دے کر گھسیٹتا ہوا سٹنگ روم تک لایا اور فرش پر ڈال دیا۔

اچانک بے ہوشی کی وجہ اب تک اُس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ کبابوں کے علاوہ اور کچھ کھایا بھی نہیں تھا اور شراب نوشی کی تجویز تو حمید نے پہلے ہی مسترد کر دی تھی۔

بہرحال وہ اس کے قریب ہی بیٹھا اُسے پُرتشویش نظروں سے دیکھتا رہا۔ مزید دس منٹ گزر گئے اور اس کے بعد جیروم کے جسم میں کسی قدر جنبش ہوئی۔

حمید خاموش بیٹھا دیکھتا رہا۔ جیروم نے کروٹ لی اور آہستہ آہستہ کراہنے لگا۔ اُس کا رخ حمید کی طرف نہیں تھا۔ حمید بہ آہستگی اُٹھا اور دبے پاؤں باہر نکل گیا۔ پھر دروازہ بھی اتنی آہستگی سے بند کیا تھا کہ آواز نہ ہونے پائی۔ اس کے بعد وہ قفل کے سوراخ سے آنکھ لگا کر اندر دیکھنے لگا۔ جیروم ابھی تک اُسی کروٹ پڑا ہوا تھا اور اب کچھ کہہ بھی رہا تھا۔ لیکن الفاظ صاف سمجھ میں نہیں آرہے تھے۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے نیند کی حالت میں بڑبڑا رہا ہو۔

پھر وہ چت ہوگیا اور حمید نے اسے اُٹھتے دیکھا۔

ٹھیک اُسی وقت جیبی ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا اور حمید تیزی سے پیچھے ہٹتا چلا گیا۔ عمارت کے ایک دور افتادہ گوشے میں میں پہنچ کر ٹرانسمیٹر نکالا اور اُسے منہ کے قریب لاکر بولا۔ ''ہیلو۔ اِٹ از ڈاکٹر زیٹو۔''

''ہارڈ اسٹون۔'' فریدی کی آواز آئی۔ ''تم اس وقت کہاں ہو۔''

''مہمان کے ساتھ اُسی عمارت میں۔''

''تم رات اس کے ساتھ نہیں گزارو گے۔ اُسے وہاں تنہا چھوڑ دو۔''

''پھر میں کہاں جاؤں؟''

''وہیں...... جہاں قیام ہے۔''

''وہ گاڑی میں خود بخود بے ہوش ہوگیا تھا۔''

''گاڑی میں کیوں! کیا تم اسے باہر لے گئے تھے۔''

''اُس نے مجبور کیا تھا۔'' حمید نے کہا اور اُسے بتانے لگا کہ کس طرح اُس نے میک

اپ کر کے باہر نکلنے کی تجویز پیش کی تھی اور اسی پر اَڑ گیا تھا اور پھر واپسی پر اچانک گاڑی میں بے ہوش ہوگیا۔

''تمہیں اسی پر جمے رہنا چاہئے تھا کہ تم ایسا نہیں کر سکتے۔''

''اب تو ہو ہی گئی حماقت۔''

''خیر......تم وہاں رات بسر نہیں کرو گے۔ پھر کوئی بہانہ کرو اور نکل جاؤ۔''

''آپ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟''

''اس کی فکر نہ کرو۔ جو کچھ بھی کر رہے ہو کرتے رہو۔ شاید ہم جلد ہی کامیاب ہو جائیں۔''

''کامیابی کی نوعیت کیا ہوگی۔''

''اس گفتگو کو ملاقات پر اُٹھا رکھو اوور اینڈ آل۔''

حمید نے سوئچ آف کر کے ٹرانسمیٹر جیب میں ڈال لیا اور پھر نشست کے کمرے کی طرف پلٹ آیا۔ دروازہ اسی طرح بند ملا جیسا چھوڑ گیا تھا۔

قفل کے سوراخ سے پھر آنکھ لگا دی۔ جیروم دونوں ہاتھوں سے سر تھامے فرش پر بیٹھا نظر آیا۔ اُس کا جسم ہل رہا تھا۔ حمید نے غور کیا تو سسکیاں بھی سنائی دیں۔ اوہ....تو وہ رو رہا تھا۔ وہ اُسے متحیرانہ انداز میں دیکھتا رہا۔ پھر دفعتاً وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور جیروم اچھل پڑا۔ جلدی جلدی آنسو پونچھنے لگا تھا۔

''تم کہاں چلے گئے تھے۔'' اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''تمہارے لئے کسی ڈاکٹر کو تلاش کر رہا تھا۔''

''اوہ.....اس کی ضرورت نہیں۔ میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے۔''

''میں تو کچھ سمجھ ہی نہ سکا۔ باتیں کرتے کرتے بے ہوش ہو گئے تھے۔''

''پُرانا مرض ہے۔'' وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''جب بھی وہ بے وفا یاد آتی ہے۔ میری یہی حالت ہو جاتی ہے۔''

''ارے تم اُسے بے وفا کہہ رہے ہو جبکہ خود ہی اُسے مار ڈالنا چاہتے تھے۔''

''میں اُس کی بات نہیں کر رہا۔''

''اوہ، تو کوئی اور بھی ہے؟'' حمید نے حیرت سے پوچھا۔

اس نے بڑی معصومیت سے سر کو اثباتی جنبش دی اور پھر آنسو پونچھنے لگا۔

''تو اُس نے بے وفائی کی تھی تم سے۔''

اس نے پھر سر ہلایا اور ایسے انداز میں حمید کی طرف دیکھتا رہا جیسے خود ہی تفصیل میں جانے کے لئے بے چین ہو۔

نہ جانے کیوں حمید کو اُس پر رحم آ گیا اور اس نے کہا۔ ''کہہ ڈالو۔ اس سے جی کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے۔''

''وہ بہت اچھی تھی۔ میں ہی خراب ہوں۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ میں اس کے منہ پر اس کے باپ کو خارش زدہ پلا کہا کرتا تھا۔''

''پتا نہیں کیوں بالآخر قصور تمہارا ہی نکلتا ہے۔'' حمید طویل سانس لے کر بولا۔ ''مجھے دیکھو مجھے بھی اپنی ہر محبوبہ کا باپ بلڈاگ لگتا ہے لیکن میں نے آج تک کسی پر اپنا خیال ظاہر نہیں کیا۔''

''مجھے غصہ آ جائے تو اظہار خیال میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔'' جیروم نے کہا۔ ''اُس نے ایک ایسے شخص کو پسند کر لیا جس نے اُسکے باپ کا آخری دانت بھی توڑ دیا تھا۔''

''یعنی تمہارا رقیب ڈینٹل سرجن تھا؟''

''میرے سامنے تو نہیں تھا۔ ہوسکتا ہے میرے بعد ہو گیا ہو۔''

''تمہیں بھوک تو نہیں لگ رہی۔''

''نہیں......!'' اس نے سر کو جنبش دے کر کہا۔

''اچھا' تو پھر میں باہر جا رہا ہوں۔ شاید تمہارے ساتھ رات بسر نہ کر سکوں۔''

''ایسا نہ کرو۔ مجھے تنہا نہ چھوڑو۔'' وہ گھگھیایا۔

''بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔ جبکہ مجھے یہی حکم ملا ہے۔''

''میں نے خود کو کیسے عذاب میں ڈال لیا ہے خداوندا۔ اب کیا ہوگا۔ کیسی نادانی ہوگئی تھی مجھ سے۔''

''تم پھر غیر محتاط ہو گئے۔ دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں۔''

''تم میرا مطلب نہیں سمجھے۔ میں اپنے اس رجحان کو الزام دے رہا تھا جس کے تحت مجھے ہر ایک سے محبت ہو جاتی ہے۔''

''یہ تمہارے اپنے سوچنے کی بات ہے۔ میں تو فائنل کا سرے سے قائل ہی نہیں ہوں۔ ہر اچھی صورت میرے لئے پیدا کی گئی ہے۔'' حمید نے سینے پر ہاتھ مار کر فخریہ انداز میں کہا۔

''سوچتا تو میں بھی یہی ہوں لیکن عملی طور پر یہ کبھی ممکن نہیں ہوا۔ ایک کو دوسری کا علم ہو گیا اور بالآخر دونوں نے مجھ سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔''

''بیک وقت دو عدد کیوں لے بیٹھتے ہو۔ ایک سے تکمیل عشق کر کے دوسری کی طرف قدم بڑھاؤ۔''

''ایک کی موجودگی میں دوسری کو الگ رکھنا مجھ سے نہیں ہو پاتا۔''

''بہر حال مجھے جانا ہی پڑے گا۔ مجبوری ہے۔ شب فراق تنہا گزارو۔''

''مجھے ڈر ہے کہ میں تنہائی میں نہ مر جاؤں۔''

''دو چار کی موجودگی میں بھی مرنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔''

''یہی سوچنا چاہئے مجھ کو۔ لیکن نہیں سوچ پاتا۔''

''صدر دروازہ مقفل کرنا مت بھولنا۔''

''تو کیا واقعی چلے جاؤ گے۔''

''بعض اوقات میں سوچتا ہوں کہ تمہارا تعلق تنظیم سے ہے بھی یا نہیں۔'' حمید جھنجھلا کر بولا۔

''اوہ خدایا......شاید میں سچ مچ پاگل ہو جاؤں گا۔''

''اچھا شب بخیر۔'' حمید نے کہا اور دروازہ کھولا ہی تھا کہ پھر پیچھے ہٹ آیا۔ دو آدمی اسٹین گنیں لئے سامنے کھڑے نظر آئے تھے۔ وہ ان کی زد پر تھا۔ اس لئے ہاتھ اوپر اُٹھا دینے کے علاوہ اور کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ جیروم نے بھی انہیں دیکھ لیا تھا۔ وہ بھی بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔ ہاتھ اُٹھا دیئے۔

''تم دونوں باہر نکلو۔'' ایک آدمی نے کہا۔ یہ دیسی ہی تھا اور صورت سے جرائم پیشہ معلوم ہوتا تھا۔

''آخر کیوں؟'' حمید نے پوچھا۔

''تم مردود پیوں نے یہاں بڑی گندگی پھیلا رکھی ہے۔''

''کیا یہ تمہارے باپ کا گھر ہے؟'' حمید بھنا کر بولا۔

''اوہ، اس وقت تو بڑی صاف اردو بول رہے ہو۔ وہاں دو ٹکے کے ہوٹل میں چھوکرے سے ایسی اردو بولے تھے جیسے سچ مچ انگلینڈ سے چلے آ رہے ہو۔''

حمید سناٹے میں آ گیا۔ تو گویا وہ پہچانا جاچکا ہے اور یہ شروع ہی سے اُن کا تعاقب کرتے رہے ہیں۔ ورنہ ہوٹل میں ہونے والی گفتگو کا حوالہ کیسے دیا جاتا۔

''چلو، باہر نکلو اور چپ چاپ گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔'' اس نے اسٹین گن کو جنبش دیکر کہا۔

یہ تو بہت بُرا ہوا۔ حمید تیزی سے سوچ رہا تھا کیا کرنا چاہئے۔ دونوں ہی خاصے پھرتیلے بھی معلوم ہوتے تھے۔ آنکھیں ایسی نہیں تھیں کہ پل بھر کے لئے بھی ٹارگٹ سے غافل ہوسکتیں۔ تو گویا اب پھنس ہی گئے۔ دفعتاً جیروم کے حلق سے عجیب سی آوازیں نکلنے لگیں۔ شاید اب اُسے خطرے کا احساس ہوا تھا اور ڈر کے مارے گھگھی بندھ گئی تھی۔ ان دونوں نے انہیں کمرے سے نکالا اور صدر دروازے کی طرف لے چلے۔ جیروم حمید کے برابر ہی ہاتھ اُٹھائے ہوئے چل رہا تھا۔ وہ دونوں اُن کے پیچھے تھے۔

''اب کیا ہوگا......؟'' جیروم گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔

''میں کیا جانوں۔ جب تک تم نے باہر چلنے پر اصرار نہیں کیا تھا محفوظ رہے تھے۔ اب تمہارے ہی ساتھ میں بھی مارا جاؤں گا۔''

''کاش، تم نے میری بات نہ مانی ہوتی۔ میں تو پاگل ہوں۔''

''خاموشی سے چلتے رہو۔'' حمید نے سخت لہجے میں کہا۔

ایک سیاہ رنگ کی وین برآمدے ہی سے لگی کھڑی نظر آئی جس کے پچھلے دروازے کے قریب ان کا تیسرا ساتھی کھڑا تھا۔ اس نے دروازہ کھولا اور یہ دونوں اندر بٹھا دیئے گئے۔ دروازہ بند ہونے کی آواز پر جیروم اس طرح اُچھل پڑا جیسے توپ چلی ہو۔ حمید کو اس پر حیرت تھی کہ انہوں نے اُن کی جامہ تلاشی لئے بغیر وین میں بٹھا دیا تھا۔ اس نے اپنے بغلی ہولسٹر کو تھپکی دی جس میں اعشاریہ تین آٹھ کا ریوالور موجود تھا۔

گاڑی حرکت میں آ گئی۔ وہ تینوں اگلی ہی سیٹ پر تھے اور انہیں اس ڈبے میں بند کردیا

تھا۔ اندھیرے میں وہ ایک دوسرے کی شکل نہیں دیکھ سکتے تھے۔

''اب کیا خیال ہے۔'' حمید نے جیروم سے پوچھا۔ ''میک اپ میں بھی پہچان لئے گئے نا۔''

''مم......میں بہت شرمندہ ہوں۔''

''کیا فائدہ اس شرمندگی سے۔ ہماری ایک بھی نہ سنی جائے گی۔''

''مم.....مجھے خوفزدہ کرنے کی کوشش مت کرو۔''

''ہاں بھلا مرنے سے پہلے خوفزدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔''

''کک......کیا تم سمجھتے ہو کہ تم بچ جاؤ گے؟''

''ظاہر ہے کہ یہ ناممکن ہے۔ لہٰذا پریشان ہونے سے کیا فائدہ۔''

''تت......تم عجیب آدمی ہو۔''

''لیکن عجیب آدمی ہونے کی بناء پر بھی مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔''

''کچھ سوچو......ورنہ ہماری سزا موت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوگی۔''

''جیسی حماقت مجھ سے سرزد ہوئی ہے اُس کی سزا موت بھی کم ہے۔''

''تم نے ازراہ انسانیت میری بات مانی تھی۔ سزا کا مستحق صرف میں ہوں۔''

''گیہوں کے ساتھ گھن بھی پستا ہے۔''

''میں کہتا ہوں کچھ سوچو۔''

''تم خود ہی کیوں نہیں سوچتے۔ جو کچھ کہو گے اس پر عمل کروں گا۔''

''یہ دروازہ کھولنے کی کوشش کرو۔''

''اسے باہر سے مقفل کیا گیا ہے۔''

اور ٹھیک اسی وقت اُن دونوں نے کھانسنا شروع کر دیا۔ اندھیرے میں کچھ نظر تو نہیں آ رہا تھا البتہ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وین کے اس حصے میں دھواں بھر رہا ہو۔ پھر دم گھٹنے کی سی کیفیت ذہنوں پر طاری ہونے لگی تھی۔

''ہمیں یہیں مار دیا جائے گا۔'' حمید گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔ ''گیس۔''

''نہیں......نہیں......نہیں۔'' جیروم حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخنے لگا۔ ''میں مرنا نہیں چاہتا۔''

حمید نے کچھ کہنا چاہا لیکن کہہ نہ سکا۔ اب وہ جیروم کی آواز بھی نہیں سن سکتا تھا کیونکہ

جیروم میں شاید اب چیخنے کی سکت بھی نہیں رہی تھی۔

پتا نہیں دوبارہ کب حمید کو ہوش آیا تھا لیکن ذہن جلد ہی صاف ہوگیا۔ کیونکہ کسی قسم کی شدید تکلیف کا احساس آنکھ کھلتے ہی ہوا تھا۔ خود کو ایک ستون سے جکڑا ہوا پایا۔ بے ہوشی کی حالت ہی میں اُسے ستون سے لگا کر کھڑا کر دیا گیا تھا اور پنڈلیوں سے سینے تک رسی کو متعدد بل دیئے گئے تھے۔

جیروم قریب ہی فرش پر اوندھا پڑا نظر آیا۔ اُسکے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔

یہ مشرقی طرز پر بنی ہوئی کسی عمارت کا دالان تھا جسے روشن رکھنے کے لئے دو بڑے بڑے کیروسین لیمپ دونوں سروں پر موجود تھے۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اب پستول اور جیبی ٹرانسمیٹر اس کے قبضے میں نہ ہوگا۔ کہیں مخصوص ساخت کا یہ ٹرانسمیٹر فریدی تک پہنچنے کا ذریعہ نہ بن جائے۔ یہ کیا حماقت سرزد ہوگئی۔ آخر جیروم سے اس طرح لپٹ لگنے کی کیا ضرورت تھی۔ لیکن اس کے سلسلے میں فریدی سے بھی کوئی ہدایت نہیں ملی تھی۔ اس نے اُسے جیروم کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا اور اس نے بھی یہی کہا تھا کہ وہ جیروم کو محکمے کی حوالات میں دینے کی بجائے اپنے ہی ساتھ رکھے اور اُسے یہی باور کراتا رہے کہ وہ خود بھی اسی تنظیم سے تعلق رکھتا ہے۔

جیروم کے چہرے پر اب مصنوعی ڈاڑھی نہیں تھی۔ خود اُس کا چہرہ بھی ہلکا ہوگیا تھا۔ لیکن چہرے کے مختلف حصوں پر محسوس ہونے والے دباؤ کی موجودگی کی بناء پر وہ وثوق سے کہہ سکتا تھا کہ اُس کا عدنان خلیلی والا میک اپ بدستور موجود ہے۔ یہ پلاسٹک میک اپ تھا۔

جیروم کا چہرہ اُسی کی طرف تھا اور اس کی ضائع ہوجانے والی آنکھ پر عجیب سی بے بسی طاری تھی۔ حمید کو اس پر رحم آنے لگا۔ لیکن خود اس کا کیا حشر ہوگا؟ ابھی تو عدنان خلیلی کا میک اپ برقرار ہے۔ کیا یہ اسی طرح برقرار رہ سکے گا۔

دفعتاً جیروم کو چھینک آئی اور وہ آنکھیں کھول کر آہستہ آہستہ کراہنے لگا۔

''بڑے نازک دماغ معلوم ہوتے ہو۔ کیروسین لیمپ کا دھواں چھینکیں لا رہا ہے۔''

حمید ہنس کر بولا اور جیروم نے اُٹھ بیٹھنے کی کوشش کی لیکن اس پوزیشن میں اُٹھ بیٹھنا آسان تو نہیں تھا۔ بس گدبدا کر رہ گیا۔

''بس پڑے رہو یونہی۔'' حمید بولا۔

''اب کیا ہوگا۔'' جیروم کے حلق سے بھائیں بھائیں سی آواز نکلی۔

''شادی ہوگی۔'' حمید نے خوش ہو کر کہا۔

''تم بندھے ہوئے ہو۔''

''اور بالکل بخیریت ہوں، لیکن تمہاری خیریت مجھے خطرے میں نظر آ رہی ہے۔ ابھی جلاد اپنے تیغ سمیت آئے گا اور ایک ہی وار میں تمہاری گردن دور جا پڑے گی۔''

''نن نن نن...... نہیں...... ہینہ۔''

''اُٹھ کھڑے ہونے کی کوشش کرو۔ تمہارے صرف ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔''

''میں نے کوشش کی تھی۔ نہیں اُٹھ پا رہا۔''

''سینے پر زور دے کر کولہے اوپر اُٹھاؤ اور دوزانو بیٹھ جانے کی کوشش کرو۔''

''اچھا کرتا ہوں۔'' وہ مردہ سی آواز میں بولا۔ ''لیکن وہ لوگ کہاں ہیں۔''

''ہوش آنے کے بعد سے میں نے کسی کو بھی نہیں دیکھا۔ جلدی کرو۔''

حمید کی ہدایت پر عمل کر کے وہ بدقت دوزانو بیٹھ گیا۔

''اب کھڑے ہونے کی کوشش کرو۔ یہ کچھ ایسا مشکل نہ ہوگا۔'' حمید نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔

جیروم اُٹھ بھی گیا اور حمید نے آہستہ سے کہا۔ ''میرے قریب آؤ اور دیکھو کہ انہوں نے اس بندش کی گانٹھ کہاں لگائی ہے۔''

جیروم ستون کے گرد چکر لگا کر بولا۔ ''پیچھے۔''

''گانٹھ تک تمہارے دانتوں کی پہنچ ہو سکتی ہے؟'' حمید نے پوچھا۔

''بالکل...... بالکل......!''

''بس تو پھر جتنی جلدی ممکن ہو گانٹھ کو دانتوں سے کھولنے کی کوشش کرو۔ پھر میں تمہارے ہاتھ کھول دوں گا اور ہم دونوں آزاد ہوں گے۔''

''کک کہیں...... وہ نہ آ جائیں؟''

''اس کی فکر نہ کرو۔ میں چوہوں کی طرح مار لیا جانا پسند نہیں کروں گا۔ دو دو ہاتھ کر کے

مرتے وقت مجھے ذرہ برابر بھی افسوس نہ ہوگا۔"

جیروم دانتوں سے گانٹھ کھولنے کی کوشش کرتا ہوا کراہتا رہا۔ حمید سختی سے ہونٹ بھینچے کھڑا رہا۔ اُس بودے آدمی پر شدت سے غصہ آرہا تھا۔ ایک عورت بھی تو نہیں ماری جاسکی تھی اس سے۔ یہ تنظیم ہے یا کیچوؤں کا جھنڈ۔

"کیا دس گھنٹے لگاؤ گے۔" اس نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"بب بس۔" جیروم ہانپتا ہوا بولا۔ "زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ کسی قدر ڈھیلی ہوگئی ہے۔"

اور پھر ذرا ہی دیر میں حمید آزاد ہوگیا۔ بڑی پھرتی سے اُس نے جیروم کے ہاتھ کھولے تھے۔ ہاتھ کھلتے ہی بوکھلائے ہوئے انداز میں ناچنے لگا اور حمید نے اس کا گریبان پکڑ کر جھٹکا دیا۔

"ہوش میں آؤ...... ہمیں نکل چلنے کی کوشش بھی کرنی ہے۔"

"تت...... تو کرو۔"

حمید نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ دالان کے آگے صحن تھا جس کی دیواریں خاصی اونچی تھیں۔ پھر وہ دالان کے اندر والے دروازوں کی طرف متوجہ ہوا۔ صحن میں کوئی دروازہ نہیں تھا۔

دالان کا ایک دروازہ دھکا دینے پر کھل گیا لیکن اندر اندھیرا تھا۔ دروازہ تھوڑا سا کھول کر سن گن لیتا رہا لیکن کسی قسم کی آواز نہ سنائی دی۔ اس نے دالان کا ایک کیروسین لیمپ اُٹھایا اور کمرے میں داخل ہوا۔ جیروم اس کے پیچھے تھا۔

سامنے ہی ایک میز پر اُس کا ہولسٹر ریوالور سمیت رکھا ہوا نظر آیا۔ اس کے قریب ہی جیبی ٹرانسمیٹر بھی موجود تھا۔ اسی طرح جیروم کی جیب سے برآمد ہونے والی ساری اشیاء بھی رکھی ہوئی تھیں۔ انہیں میں ان دونوں کے شناختی کارڈ بھی تھے۔ حمید نے طویل سانس لی۔ والگو والے کارڈ کے پشت والی تحریر پر اُس نے پہلے ہی مارکر سے سیاہی پھیر دی تھی۔ ورنہ پول کھل جاتی اور وہ آدمی اُنہیں محض باندھ کر ڈال جانے پر اکتفا نہ کرتے۔ اُن کا کوئی نہ کوئی آدمی بھی یہاں موجود ہوتا۔ بہر حال اُس نے آگے بڑھ کر اپنی چیزوں پر قبضہ کیا اور جیروم کی چیزیں اُس کی طرف کھسکا دیں۔

"آخر وہ ہمیں یہاں اس طرح کیوں چھوڑ گئے ہیں۔" جیروم نے گویا خود سے سوال کیا۔

''ہوسکتا ہے کسی کو ہماری گرفتاری کی اطلاع دینے گئے ہوں۔ کیروسین لیمپوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ جگہ شہری آبادی سے الگ تھلگ ہے۔'' حمید نے کہا اور وہ باہر نکلنے کے راستے کی تلاش میں متعدد دروازوں سے گزرتے رہے۔صدر دروازے پر پہنچ کر رک جانا پڑا کیونکہ وہ باہر سے بند تھا۔

''اب کیا ہوگا۔'' جیروم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''یہی تو دیکھتا پھر رہا ہوں کہ اب کیا ہوگا۔''

''قفل پر فائر کرو۔''

''کس قفل پر۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ یہ دروازے جدید طرز کے نہیں ہیں۔ باہر سے کنڈی لگائی گئی ہے۔''

''اُدھر صحن کی طرف۔'' جیروم نے کہا اور مزید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کررہا ہو۔تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔''اُدھر چلو......تو شاید کوئی تدبیر ہوجائے۔''

''کیا تدبیر ہوجائے گی۔'' حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

''تم چلوتو، مجھے ایک جگہ دیوار پر کچھ غیر معمولی سی چیز نظر آئی تھی۔''

''دیوار پر سڑک نظر آئی ہوگی۔'' اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

لیکن وہ پھر صحن کی طرف واپسی کے لئے مڑ گیا تھا۔صحن میں پہنچ کر جیروم نے بائیں جانب اشارہ کیا۔''یہ دیکھو'' دیوار کے جس حصے کی طرف اس نے اشارہ کیا تھا وہاں کبھی دروازہ رہا ہوگا۔ جسے نکال کر بعد میں اینٹیں چن دی گئی تھیں۔

''آہاں...... واقعی۔'' حمید سر ہلا کر رہ گیا۔ چنائی اکہری اینٹوں سے ہوئی تھی جنہیں زیادہ محنت کے بغیر نکالا جاسکتا تھا۔

''اگر ایک اینٹ بھی نکال دینے میں کامیاب ہوگئے تو بقیہ کام بے حد آسان ہوجائے گا۔'' جیروم نے کہا۔

''جب سے ملے ہو صرف یہی ایک عقلمندی کی بات کی ہے تم نے۔'' حمید طویل سانس لے کر بولا۔

اور پھر وہ دونوں ہی بڑی تندہی سے اس کام میں لگ گئے تھے۔ ایک اینٹ نکال لینے کے بعد انہوں نے جلد ہی اتنا بڑا سوراخ بنالیا جس سے بہ آسانی گزر جاتے۔ دونوں لیمپ بجھا کر وہ باہر نکل آئے۔

''تیز چلو'' حمید ایک جانب بڑھتا ہوا بولا۔ تاروں کی چھاؤں میں وہ اتنا تو دیکھ ہی سکتا تھا کہ آس پاس اس عمارت کے علاوہ اور کوئی دوسری نہیں ہے اور درختوں کی بہتات کہہ رہی تھی کہ وہ عمارت کسی باغ کے درمیان واقع ہے۔

سمت کا تعین کئے بغیر چل پڑے تھے۔ جلد از جلد عمارت سے بہت دور نکل جانا چاہتے تھے۔ حمید نے ریوالور ہولسٹر سے نکال لیا۔ اُسے حیرت تھی کہ اُن لوگوں نے ریوالور کو خالی بھی نہیں کیا تھا۔ اُس میں پورے چھ راؤنڈ اب بھی موجود تھے۔

بھاگم بھاگ چلے جارہے تھے اور دونوں ہی خاموش تھے۔ دفعتاً جیروم نے کہا۔ ''آخر جا کہاں رہے ہیں۔''

''بہت دور......اُفق کے پار۔'' حمید بھنا کر بولا۔ نہ جانے کیوں اُسے اس وقت اُس کی آواز بھی زہر لگ رہی تھی۔

''اس طرح چلتے رہنا تو ٹھیک نہیں ہے۔''

''تو پھر لیٹ جاؤ۔''

''پتا نہیں تم کیسی باتیں کررہے ہو۔''

''چپ چاپ چلتے رہو۔''

''اچھا تو پھر تم جانتے ہو گے کہ اس وقت کہاں ہو اور تمہیں کہاں جانا ہے۔''

''ایسی کوئی احمقانہ بات میرے ذہن میں نہیں ہے۔''

''اُف فوہ۔ تمہاری کوئی بات تو میری سمجھ میں آئے۔''

''دیکھو دوست ہم بے کارواں ہو چکے ہیں۔ کیا تم اب بھی تنظیم کیطرف واپس جاسکتے ہو۔''

''بس یہی یاد نہ دلاؤ۔ میری آنکھوں میں اندھیرا چھانے لگتا ہے۔''

''یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ اب ہمارا تنظیم سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ اگر اب اُن کے ہاتھ لگے تو خارش زدہ کتوں کی طرح مار دیئے جائیں گے۔''

''اور اب ہم میک اپ میں بھی نہیں ہیں۔''

''میک اپ سے بھی کیا فائدہ پہنچا تھا۔ آخر انہوں نے ہمیں پہچان کر ہی تو پکڑا ہوگا۔''

''اس سلسلے میں میرا دوسرا خیال ہے۔'' جیروم بولا۔

''اوہو۔ تمہارا بھی کوئی خیال ہے۔''

''کیوں نہیں...... سنو! میرا خیال ہے کہ انہوں نے تمہارے سپرد ایک کام کر کے تمہاری لاعلمی میں خود تمہاری نگرانی بھی کرائی تھی اور اسی نگرانی کے نتیجے میں ہم پکڑے گئے۔''

''واقعی...... سامنے کی بات ہے یہی ہو سکتا ہے۔ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ورنہ میں نے میک اپ ایسا نہیں کیا تھا کہ آسانی سے پہچانے جا سکتے۔''

''لہٰذا میری رائے ہے کہ ہمیں مفقود الخبر ہو جانا چاہئے۔ وہ ہمارا پتہ نہیں لگا سکیں گے۔ کیونکہ اس وقت تعاقب یا نگرانی کا امکان نہیں ہے۔''

''اس کے لئے تمہیں نہ صرف اپنی قیام گاہ بلکہ ملازمت بھی چھوڑنی پڑے گی۔ پھر کھاؤ گے کہاں سے۔''

''میرے پاس اتنا سرمایہ ہے کہ ایک سال بہ آسانی نکل جائے گا۔''

''میرے پاس تو اب رہنے کو گھر بھی نہیں رہا۔ ظاہر ہے کہ اب میں وہاں تو واپس نہیں جا سکتا۔''

''فکر نہ کرو۔ تم کہاں ملازم ہو؟''

''میٹرو اینڈ جانسن میں۔''

''تو تمہاری بھی ملازمت گئی۔''

''اور کیا......!'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''فکر مت کرو۔ تمہارے اخراجات بھی میرے ذمہ۔'' جیروم بولا۔

''اب کے میں تمہارا ایسا میک اپ کروں گا کہ عرصہ تک خراب نہ ہو سکے۔ لیکن آنکھ کا مسئلہ میرے بس سے باہر ہوگا۔''

''کیا اس بھری پُری دنیا میں صرف میں ہی ایک یک چشم ہوں؟''

''دل چھوٹا نہ کرو۔ لاکھوں ہوں گے۔''

''مصنوعی آنکھ کی موجودگی میں تو بہ آسانی پہچانا جاسکوں گا۔''

''یقین کرو..... تمہاری وہ مصنوعی آنکھ حیرت انگیز تھی۔ میں اندازہ نہیں لگا پایا تھا کہ وہ مصنوعی ہے۔''

''اب اس ذکر کو جانے دو۔ جان بچانے کی کوشش کرو۔''

''میں نہیں جانتا کہ ہم کدھر جا رہے ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''کہیں نہ کہیں تو کوئی سڑک یا ریلوے لائن دکھائی دے گی۔'' جیروم بولا۔

حمید خاموشی سے چلتا رہا۔ اس پر اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا تھا۔

اسٹیل ملز کے منیجر جمشید نے اُوزاکا کو پھر اپنے دفتر میں طلب کیا تھا۔ اُوزاکا نے پہنچنے میں دیر نہیں لگائی لیکن تہیہ کرلیا تھا کہ اگر اس نے اُلٹی سیدھی باتیں کیں تو وہ اُس سے نپٹ لے گا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' جمشید اُسے گھورتا ہوا بولا۔ اوزاکا خاموشی سے بیٹھ گیا اور اُسے ایسی نظروں سے دیکھتا رہا جیسے بالکل اُلو سمجھتا ہو۔

''تم نے کیا سوچا۔'' جمشید نے اُس کی طرف توجہ دیئے بغیر سوال کیا۔

''کس بارے میں۔''

''وہی غبن کا معاملہ۔''

''پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔''

''وہ اچانک اس طرح پاگل ہو کر مر کیوں گیا۔''

''آپ مجھ سے ایسے سوالات کر رہے ہیں جن کے جواب میرے بس سے باہر ہیں۔ اگر آپ کو مجھ پر کسی قسم کا شبہ ہو تو صاف صاف بتایئے تاکہ میں اپنی صفائی پیش کرسکوں۔''

''میں نے تم سے کہا تھا کہ اس سلسلے میں میری مدد کرو۔''

''ظاہر ہے جب میں کچھ جانتا ہی نہیں تو مدد کیسے کرسکوں گا۔''

''تم جانتے ہو۔''

''بکواس ہے۔'' اوزاکا میز پر ہاتھ مار کر کھڑا ہو گیا۔

''تم ہوش میں تو ہو۔''

''میں بالکل ہوش میں ہوں۔ اگر مجھ سے بے ضابطہ قسم کی گفتگو کی گئی تو اچھا نہ ہوگا۔''

''بیٹھ جاؤ۔'' دفعتاً جمشید نے مسکرا کر نرم لہجے میں کہا۔

وہ بُرا سا منہ بنائے ہوئے بیٹھ گیا اور جمشید نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔ ''باضابطہ گفتگو تو اسی طرح ہوسکتی ہے کہ میں پولیس کو فون کر دوں۔''

''بے شک فون کر دیجئے۔''

''پختہ ثبوت کے بغیر پولیس کو فون نہیں کیا جاسکتا۔ تم یہی سمجھتے ہونا میرے پاس پختہ ثبوت موجود ہیں۔''

''میرے خلاف......!''

''تم تینوں کے خلاف......دو وہ جو مر گئے۔''

اوزاکا الجھن میں پڑ گیا۔ بھلا کس قسم کا ثبوت ہوسکتا ہے۔

اس کی دانست میں تو اُس کی دوسری حیثیت کا علم سابق منیجر یا اس کے دونوں متوفی ساتھیوں کے علاوہ اور کسی کو بھی نہیں تھا۔ بہر حال وہ مستفسرانہ نظروں سے جمشید کو دیکھتا رہا۔ جمشید بھی پلکیں جھپکائے بغیر اُس کی آنکھوں میں دیکھے جا رہا تھا۔ حتیٰ کہ اوزاکا کی پشت پر پسینے کی دھاریں بہنے لگیں اور وہ کھنکار کر بولا۔

''میں اپنے خلاف ثبوت کے بارے میں کچھ سننے کا منتظر ہوں۔''

''تمہیں جو تنخواہ ملتی ہے اس کی رسیدیں یہاں فائلوں میں موجود ہیں۔ لیکن تم نے کچھ رسیدیں سابق منیجر کو نجی طور پر بھی دی تھیں جو اس کے گھر پر موجود تھیں۔ تم تینوں کی رسیدیں اور ان کی مجموعی رقم تمہاری سالانہ تنخواہوں سے کہیں زیادہ ہے۔''

اوزاکا نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی اور بولا۔ ''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ وہ رسیدیں قطعی نجی ہیں۔ سابق منیجر مجھ سے قرض لیتا رہتا تھا اور رقم کی واپسی پر رسید بھی لیتا تھا۔''

''اسے ذہن میں رکھو کہ وہ تمہاری تنخواہ کی سالانہ رقم سے کہیں زیادہ کی رسیدیں ہیں۔''

''میں کچھ پس انداز کرتا ہوں اور کچھ جوئے میں جیتتا ہوں۔ ریس کھیلنا میرا محبوب ترین مشغلہ ہے۔ میرا منتخب کردہ گھوڑا شاذ و نادر ہی ہارتا ہے۔ کہنے کا مطلب یہ کہ آپ اُن رسیدوں کی بناء پر میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔''

جمشید خاموش بیٹھا اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ ''اچھی بات ہے میں دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کرسکتا ہوں اور اب تم جاسکتے ہو۔''

اوزاکا اُٹھا اور اس کے آفس سے باہر آ گیا۔

تنظیم کے لئے مختلف کاموں کی اُجرت اُسے سابق منیجر ہی کے توسط سے ملتی تھی اور وہ اس کی رسید بھی لیتا تھا لیکن اوزاکا کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ رسیدیں اُسی کے پاس رہ جاتی ہوں گی۔ وہ تو سمجھتا تھا کہ سابق منیجر اُن رسیدوں کو آگے بڑھا دیتا ہوگا۔ بہرحال اُس نے جمشید کے سامنے اس کی جو توجیہہ پیش کی تھی اب اُس پر جمے رہنا پڑے گا۔

جمشید نے ایک بار پھر اُس کا موڈ خراب کردیا تھا اور وہ بھی ڈیوٹی کے اختتام سے ذرا دیر پہلے۔ جب وہ سوچ رہا تھا کہ آج تو ڈربی ہاؤز والی پراسرار پامیلا کو دیکھ کر ہی رہے گا۔ پچھلی شام اُس سے فون پر گفتگو ہونے کے بعد اوزاکا نے ڈھیروں شراب پی تھی اور اُس سے ملاقات کرنے کے لئے چل پڑا تھا۔

زیادہ شراب نوشی اُس کے اعصاب پر زیادہ بُرا اثر نہیں ڈالتی تھی۔ یعنی نہ تو وہ ذہنی طور پر بہکتا تھا اور نہ کسی جسمانی کمزوری میں مبتلا ہوتا تھا۔ بس آنکھوں سے ظاہر ہو جاتا تھا کہ اس نے پی رکھی ہے۔ بہرنوع وہ اُسی حال میں ڈربی ہاؤز تک پہنچا تھا۔ کمپاؤنڈ کا پھاٹک بند تھا اور پھاٹک کے آس پاس کے حصے تیز قسم کی روشنی میں نہائے ہوئے تھے۔ اُس نے کال بل کا بٹن دبایا اور تھوڑی دیر بعد کال بل کے بٹن کے اوپر ہی لگے ہوئے مائیک سے آواز آئی۔

''کون ہے؟''

وہی نسوانی آواز تھی جو فون پر سن چکا تھا۔

''میں اوزاکا ہوں، جس سے ملنے کی تم نے خواہش ظاہر کی تھی۔'' اوزاکا نے مائیک پر نظر جمائے ہوئے کہا۔

''اوہ......ہیلو......!'' آواز آئی اور پھر کسی قدر تذبذب کے ساتھ کہا گیا۔ ''لیکن مجھے

افسوس ہے کہ تم نے شراب پی رکھی ہے۔''

اوزاکا بوکھلا گیا۔ وہ تو سمجھا تھا کہ وہاں صرف مائیک سسٹم ہے لیکن یہ تو شارٹ سرکٹ ٹیلیویژن کا معاملہ معلوم ہوتا ہے۔ وہ عمارت کے کسی گوشے میں بیٹھی اُسے صاف دیکھ رہی تھی اور ٹی وی کا کیمرہ شائد پھاٹک کی محراب میں کہیں نصب تھا۔

''اس میں کیا قباحت ہے۔'' اوزاکا نے کہا۔ ''میں پی کر بہکتا نہیں ہوں۔''

''بہتیرے نہیں بہکتے لیکن میں ایسے کسی آدمی سے بالمشافہ گفتگو کرنا پسند نہیں کرتی جس نے ذرا سی بھی پی رکھی ہو۔''

''تمہاری مرضی۔'' اوزاکا نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔ ''میں تو محض تمہارے کہنے سے چلا آیا۔''

''مجھے افسوس ہے مسٹر اوزاکا۔ پھر کبھی سہی۔ جب تم نے پی نہ رکھی ہو۔''

اوزاکا بڑی بے نیازی سے اپنی گاڑی کی طرف پلٹا تھا اور اُسے دل ہی دل میں ہزاروں گالیاں دیتا ہوا پھر اپنی قیام گاہ کی طرف روانہ ہو گیا تھا اور آج دن بھر یہی سوچتا رہا تھا کہ واپسی پر ڈربی ہاؤز ضرور جائے گا۔ خواہ کچھ ہو جائے۔ لیکن جمشید نے چھٹی سے تھوڑی ہی دیر پہلے موڈ اتنا خراب کر دیا تھا کہ اب اُسے فی الحال کسی قسم کی بھی تفریح سے دلچسپی نہیں رہ گئی تھی۔ غصے میں بھرا ہوا اپنے آفس پہنچا اور کرسی پر بیٹھ کر ہانپنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد فون کی گھنٹی بجی۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے جمشید کی آواز آئی اور ایک بار پھر اُس کی سانس پھولنے لگی۔ وہ نرم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ مجھ سے تعاون کرو۔ میں اُن رسیدوں کو دریا بُرد کر دوں گا۔''

اوزاکا نے کچھ کہے بغیر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور سوچ سوچ کر محظوظ ہونے لگا کہ اس ہتک آمیز رویئے نے اُسے بھک سے اڑا دیا ہوگا اور وہ اپنی ہی بوٹیاں نوچتے رہ جانے کے علاوہ اور کیا کر سکا ہوگا۔

اُتنے میں ڈیوٹی کے اختتام کا وقت بھی ہو گیا اور وہ اپنے آفس سے نکل کر گاڑی میں آ بیٹھا۔ شراب کی طلب محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن پھر ڈربی ہاؤز والی پراسرار پامیلا یاد آئی اور وہ اُدھر ہی چل پڑا۔ شام کے چار بجے تھے۔ جمشید کی گفتگو کے اثرات ذہن سے جھٹک دینے

کے لئے اُس نے گنگنانا شروع کر دیا۔

خاصی تیز ڈرائیونگ کر کے ڈربی ہاؤز تک پہنچا۔ حسب سابق پھاٹک پر کال بل کا بٹن دبایا۔ مائیک سے آواز آئی کون ہے؟''

''اُوزاکا......!''

''اُوہ......اچھا......ذرا سر کسی قدر اوپر اٹھاؤ۔''

اُوزاکا نے مسکرا کر تعمیل کی اور اس بار کہا گیا۔ ''ٹھیک ہے۔ گیٹ کی بائیں جانب سرخ بٹن دباؤ۔ پھاٹک کھل جائے گا۔ اپنی گاڑی اندر ہی لیتے چلے آؤ۔''

''شکریہ۔'' اوزاکا نے کہا اور مذکورہ بٹن دبا کر گاڑی کی طرف مڑ گیا۔ پھاٹک خود بخود کھل گیا تھا اور پھر جیسے ہی اس کی گاڑی پھاٹک سے گزر گئی خود بخود بند بھی ہوگیا۔ گاڑی ایک طویل روش طے کر کے پورچ میں پہنچی۔ یہاں عجیب سی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ دیکھئے عمارت کے اندر کیا پیش آئے۔

گاڑی سے اُتر ہی رہا تھا کہ ایک عورت برآمدے میں کھڑی نظر آئی اور وہ اُسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ بڑی پُراسرار آنکھیں تھیں اور اُس کی گندمی رنگت نے اُنہیں نہ جانے کتنی توانائی بخش دی تھی۔

زرد رنگ کے لبادے میں اُس کی شخصیت بڑی دلکش لگ رہی تھی۔ اوزاکا اس کی عمر کا اندازہ نہ لگا سکا۔ جوانی کی کسی بھی عمر کا تعین کیا جاسکتا تھا۔ وہ داہنا ہاتھ آگے بڑھا کر مسکرائی۔

''خوش آمدید۔''

''شکریہ محترمہ۔ پچھلی شام کیلئے معذرت خواہ ہوں۔'' اوزاکا بولا۔

''میں سمجھی تھی شاید تم بُرا مان گئے۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اصول پسند لوگ مجھے اچھے لگتے ہیں۔'' اوزاکا نے کہا۔

وہ اُسے نشست کے کمرے میں لائی جو اچھا خاصا ہال معلوم ہوتا تھا اور جس میں فرنیچر کی کمی نہیں تھی۔

''میں ایک جہاں گرد عورت ہوں۔ آج یہاں کل وہاں۔ کہیں جم کر نہیں رہ سکتی۔''

''میں یہاں اسٹیل ملز میں ملازم ہوں۔''

وہ اُسے غور سے دیکھتی ہوئی بولی۔ ''لیکن مجھے کہنے دو کہ تم بہت عجیب ہو۔''

''میں تو ایسی کوئی بات محسوس نہیں کرتا۔'' وہ زبردستی ہنس کر بولا۔

''شاید! لیکن میرا علم کہتا ہے کہ تم غلط بیانی سے کام لے رہے ہو۔ فون پر تمہاری آواز سن کر میں نے تہیہ کیا تھا کہ تم سے ضرور ملوں گی۔ کیونکہ تم میرے علم میں اضافے کا باعث بن سکتے ہو۔''

''مم...... میں کچھ نہیں سمجھا۔''

''تمہاری آواز ہی سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ تم غیر معمولی ہو۔''

''غیر معمولی ہونا بھی میری سمجھ سے باہر ہے۔''

''مجھے یقین ہے کہ تم درست کہہ رہے ہو۔ یعنی تمہیں خود بھی اپنے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔''

''اب میں اس پر کیا کہوں۔'' اُوزا کا احمقانہ انداز میں ہنس کر رہ گیا۔

''میں ثابت کردوں گی کہ تم غیر معمولی ہو۔ ذرا اپنا داہنا ہاتھ آگے بڑھاؤ۔''

اُس نے کہا اور اُٹھ کر اُسی صوفے پر آ بیٹھی جس پر اوزا کا بیٹھا ہوا تھا۔ اوزا کا نے ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ جھک کر بغور ہاتھ کی لکیروں کو دیکھتی رہی پھر سیدھی ہو کر بولی۔

''جب تم نے ہوش سنبھالا تو بالکل تنہا تھے۔ تمہارے والدین فوت ہو چکے تھے۔ تمہیں آگے بڑھنے کے لئے سخت جدوجہد کرنی پڑی۔ ایک مہربان بوڑھی عورت نے تمہاری سرپرستی قبول کی تھی۔ وہ بھی تنہا تھی۔ اس کا گھرانا بھی دوسری جنگ عظیم میں ختم ہو گیا تھا۔ اُسی کی مدد سے تم آگے بڑھتے رہے۔ حتیٰ کہ یہاں تک آ پہنچے۔ ویسے مستقل مزاج آدمی نہیں ہو اور یہی تمہاری سب سے بڑی کمزوری ہے۔''

''مجھے تو اس میں کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آئی۔'' اوزا کا نے ہنس کر کہا۔

''بے شک! تم جیسے ہزاروں افراد ایسے ہی حالات سے گزر رہے ہوں گے۔ لیکن تم میں جو خصوصیت ہے وہ کسی کو بھی نصیب نہیں۔''

''اس کے لئے تمہیں میرے میجک بال کے قریب بیٹھنا پڑے گا اور تم خود دیکھ لو گے کہ تم کیا ہو۔''

''میں ضرور تجربہ کروں گا۔''

وہ عجیب سے انداز میں مسکرائی اور اُٹھتی ہوئی بولی۔ ''میرے ساتھ آؤ۔ تمہارا راز میرا میجک بال آشکار کر دے گا۔ میں اُسے میجک بال کہتی ہوں۔ لیکن حقیقتاً وہ ایک سائنسی ایجاد ہے جس کے ذریعے شخصیتوں کے ڈھکے چھپے گوشے بھی نظروں کے سامنے آجاتے ہیں۔''

وہ اُسے دوسرے کمرے میں لائی۔ یہاں صرف ایک میز اور ایک کرسی رکھی ہوئی تھی اور میز پر ایک بہت بڑی بلوری گیند رکھی ہوئی تھی جس کا قطر کم از کم ڈیڑھ فٹ ضرور رہا ہوگا۔

''اس کرسی کو میز کے قریب کھسکا کر بیٹھ جاؤ۔'' پامیلا نے کہا۔

اُوزاکا خاموشی سے تعمیل کرتا رہا۔ وہ میز کی دوسری طرف جا کھڑی ہوئی۔ اوزاکا نے دیکھا کہ میز کی دوسری جانب بالکل کسی ٹائپ رائٹر کا سا'' کی بورڈ'' بھی موجود ہے۔

پامیلا نے کی بورڈ کا ایک بٹن دبایا اور بلوری گیند کسی ٹی وی اسکرین کی طرح روشن ہوگئی۔

پھر اُس کی انگلیوں ایک مشاق ٹائپسٹ کی انگلیوں کی طرح بورڈ پر دوڑنے لگیں اور اُس نے اوزاکا سے کہا۔ ''اپنی نظر میجک بال پر جمائے رکھو۔''

اُوزاکا پوری طرح گیند کی طرف متوجہ ہوگیا اور پھر اُس نے اپنا سراپا اُس گیند میں دیکھا۔ وہ خود کو ایک سڑک پر پیدل چلتے دیکھ رہا تھا۔ اس کے رونگھٹے کھڑے ہوگئے۔ پھر وہ کمپاؤنڈ کے پھاٹک تک پہنچ گیا۔ بے ساختہ اُس کی نظر اپنی پرچھائیں پر اُس وقت پڑی جب ایک اور پرچھائیں سے جُدا ہو رہی تھی۔ اوزاکا بُری طرح کانپنے لگا۔ کیونکہ شاید ایک بار پھر وہی منظر اُس کی آنکھوں کے سامنے آنے والا تھا۔ دوسری پرچھائیں پھاٹک سے گزر کر کمپاؤنڈ میں داخل ہوگئی اور دیکھتے ہی دیکھتے فریدی کی کوٹھی کا ایک حصہ منہدم ہوگیا۔ پھر اُس نے دیکھا کہ وہ وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا ہے۔ کچھ دور جانے کے بعد دوسری پرچھائیں پھر دکھائی دی جو اس کے پیچھے دوڑ رہی تھی۔ آخر کار اوزاکا نے یہ بھی دیکھا کہ دوسری پرچھائیں اس کی پرچھائیں میں دوبارہ ضم ہوگئی۔

دوسری طرف پامیلا کی انگلیاں کی بورڈ پر بدستور چل رہی تھیں۔ پھر جیسے ہی اُس نے اپنے ہاتھ روکے بلوری گیند سے روشنی غائب ہوگئی۔

اوزاکا رومال سے اپنے چہرے کا پسینہ پونچھنے لگا۔ پامیلا اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور بولی۔ ''تم نے دیکھا اپنے ہمزاد کو۔''

''مم......میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔'' اوزاکا نے ایک الجھے ہوئے آدمی کی سی اداکاری کی۔

''مسٹر اوزاکا......اس ڈیوائس کو مت جھٹلاؤ۔ میرا یہ کمپیوٹر اپنی مثال آپ ہے۔ ساری دنیا میں اس کا کوئی ثانی نہیں۔''

''لیکن......یہ سب کچھ۔''

''تمہیں ایسا ہی ایک واقعہ پیش آچکا ہے جس کی نشاندہی میرے کمپیوٹر نے کی ہے۔ کیا تم اس دوسری پرچھائیں کی وجہ سے پریشان نہیں ہو۔''

''کیا واقعی مجھے اس پر پریشان ہونا چاہئے۔'' اوزاکا مسکرا کر بولا اور پامیلا نے کہا۔

''جب تک تم اس کی تصدیق نہیں کرو گے میں آگے کچھ نہ کہوں گی۔''

''اس عمارت کے کسی حصے کے گر جانے کی خبر میں نے بھی اخبارات میں پڑھی تھی۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں جانتا۔''

''اب تو تم نے دیکھ لیا کہ اس عمارت کا وہ حصہ کس طرح تباہ ہوا تھا۔ لیکن حیرت ہے کہ تم نے دوسری پرچھائیں پر توجہ نہیں دی تھی۔''

''میں کچھ نہیں جانتا۔''

''تم اپنی ایک بہت بڑی قوت سے ناآشنا ہو۔ یہی قوت تمہاری شخصیت کا ایک چھپا ہوا گوشہ ہے۔''

''مس پامیلا۔ میرا ذہن جواب دے جائے گا۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''ہرگز نہیں۔ ٹھہرو......اب دیکھتے ہیں کہ تم اپنی اس قوت کو کس طرح بروئے کار لا سکتے ہو۔''

اُس کی انگلیاں پھر کی بورڈ پر دوڑنے لگیں اور گیند دوبارہ روشن ہوگئی۔ اس بار اُس پر کوئی تحریر نمودار ہوئی تھی۔ اوزاکا نے تحریر پر نظریں جماتے ہوئے طویل سانس لی اور وہ اُسے پڑھ سکتا تھا۔ لکھا تھا

''اے شخص اگر تو اپنی اس قوت سے کام لینا چاہے تو تجھے لازم ہے کہ کچھ الفاظ اپنی زبان سے ادا کرے۔ الفاظ یہ ہوں گے۔ 'اے میرے ہمزاد میرے حریف کو تباہ کردے۔' پانچ منٹ کے اندر ہی اندر تجھے

اپنی قوت کا اندازہ ہو جائے گا۔''

اوزاکا کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد سرد سی لہریں دوڑتی رہیں اور گیند کی روشنی پھر غائب ہو گئی۔ اوزاکا کی نظر اُس پر سے ہٹ کر پامیلا کے چہرے پر جم گئی۔

''تم نے دیکھا'' وہ مسکرا کر بولی۔ ''دل چاہے تو اب اس کا امتحان کرلو۔ ابھی تھوڑی بہت دھوپ باقی ہے۔ اوپر کھلی چھت پر چلتے ہیں۔''

''میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔'' اوزاکا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''میں سمجھ رہی ہوں اور تمہیں بھی پوری طرح سمجھا دوں گی۔ چلو اوپر چلیں۔'' وہ اُٹھتی ہوئی بولی۔

''لیکن یہاں کون میرا حریف بیٹھا ہوا ہے جسے تباہ کراؤں گا۔''

''وہ نمونے کی ایک تحریر تھی۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ تم اپنی منشاء کے مطابق اپنے ہمزاد سے کام لے سکتے ہو یا نہیں۔ مثال کے طور پر تم کہہ سکتے ہو کہ اے میرے ہمزاد میں تجھے اپنی ذات سے الگ ہوتے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر تمہاری اس خواہش پر دوسری پرچھائیں نمودار ہوگئی تو بس سمجھ لینا کہ تم جب بھی چاہو گے ایسا کرسکو گے۔''

وہ اُسے اوپر کھلی چھت پر لے آئی۔ سورج ابھی اتنی بلندی پر تھا کہ ان کی پرچھائیاں عقب میں نظر آ رہی تھیں۔ وہ پرچھائیوں کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو گئے اور پامیلا نے کہا۔

''اب یہ کہو کہ اے میرے ہمزاد میری خواہش ہے کہ تو میری ذات سے الگ ہو کر مجھے دکھا۔''

''کتنی مضحکہ خیز بات ہے۔'' اوزاکا نے کھسیانی ہنسی کے ساتھ کہا۔

''قطعی مضحکہ خیز نہیں ہے۔ پلیز...... دہراؤ یہی الفاظ۔''

اوزاکا نے اٹک اٹک کر اس کے کہے ہوئے الفاظ دہرائے اور اپنی پرچھائیں پر نظر جمائے کھڑا رہا۔ شاید تین منٹ بعد پرچھائیں میں لرزش سی ہوئی۔ اوزاکا کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی اور وہ ساکت و صامت کھڑا رہا۔ دوسری پرچھائیں آہستہ آہستہ اس کی پرچھائیں سے الگ ہو رہی تھی اور پھر وہ اس سے دو گز کے فاصلے پر ٹھہر گئی۔

''اوہ...... میرا علم سچا ہے۔'' پامیلا پُرمسرت لہجے میں بڑبڑائی۔ اوزاکا بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ پلکیں جھپکائے بغیر دوسری پرچھائیں کو دیکھے جا رہا تھا۔

''اب اس سے کہو کہ یہ تمہیں اپنا رقص دکھائے۔'' پامیلا آہستہ سے بولی۔

''مم......میں......کک......کیا۔'' اوزاکا ہکلا کر رہ گیا۔

''کہو کہ اے ہمزاد مجھے اپنا رقص دکھا۔''

اوزاکا نے پتا نہیں کس طرح یہ الفاظ دہرائے تھے اور پرچھائیں نے تھرکنا شروع کر دیا تھا۔ پامیلا دیکھ دیکھ کر بچکانہ انداز میں خوش ہوتی رہی۔ پھر اُس نے اُوزاکا سے کہا۔'' اب کہو۔بس اِے ہمزاد اب پھر میری ذات میں سما جا۔''

''میں اب اسے اپنی ذات میں نہیں سمانے دوں گا۔'' اوزاکا جھنجھلا کر بولا۔

''ایسا غضب بھی نہ کرنا۔تمہاری ہی گردن توڑ کر رکھ دے گا۔کبھی ایسی حرکت نہ کرنا۔ کبھی اُس سے یہ نہ کہنا کہ تمہاری ذات سے ہمیشہ کے لئے الگ ہو جائے۔ بہت اچھا کیا کہ اپنا عزم مجھ پر ظاہر کر دیا۔ اگر کہیں سہواً بھی تمہاری زبان سے اس سے جدائی کی خواہش کا اظہار ہو جاتا تو یہ تمہیں زندہ نہ چھوڑتا۔''

''اوزاکا کانپ کر رہ گیا اور اُس نے طوعاً وکرہاً پامیلا کے کہے ہوئے الفاظ دہرائے ہی تھے کہ دوسری پرچھائیں جھپٹ کر اُس کی پرچھائیں میں مدغم ہوگئی۔

پامیلا نے اس کے شانے پر تھپکی دے کر کہا۔'' اب نیچے چلو۔ میں تمہیں برانڈی کا صرف ایک پگ دے سکوں گی تاکہ تم اپنے اعصاب کو بحال کر سکو۔''

''تت......تم......برانڈی پیش کرو گی۔'' اوزاکا نے حیرت سے کہا۔

''ہاں کیوں نہیں۔ میں نے تمہیں اس لئے نہیں روکا تھا کل کہ مجھے شرابیوں سے خوف معلوم ہوتا ہے بلکہ قصہ یہ ہے کہ شراب میرے اور سبجیکٹ کے درمیان حائل ہو جاتی ہے اور میں اُسے صحیح طور پر پڑھ نہیں پاتی۔''

وہ اُسے پھر سٹنگ روم میں لے آئی جس کے ایک گوشے میں ایک چھوٹا سا بار بھی تھا۔ بار کے سامنے کئی اسٹول پڑے ہوئے تھے۔ اوزاکا اس خیال سے ہلکی ہلکی چسکیاں لیتا رہا کہ دوسرا پگ نصیب نہیں ہوگا۔ ورنہ اُس کا گلاس تو صرف تین گھونٹ کا ہوا کرتا تھا۔

''دوسری سٹنگ میں تمہیں دوسرا سبق دوں گی۔'' پامیلا نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

''کیا اس کے لئے صرف سورج کی روشنی ضروری ہے۔'' اوزاکا نے پوچھا۔

''میرا علم کہتا ہے کہ یہ شمسی توانائی کا کارنامہ ہے۔''

''کیا مطلب......!'' اوزاکا چونک کر بولا۔

پامیلا نے زور سے قہقہہ لگایا اور بولی۔ ''کیا تم اسے واقعی ہمزاد سمجھتے ہو۔''

''پھر کیا سمجھوں۔''

''یہ بھی سائنس ہی کا کرشمہ ہے۔ کسی دوسرے کُرے کے باشندوں کا کوئی تجربہ۔''

''میں پاگل ہو جاؤں گا۔''

''سمجھنے کی کوشش کرو۔ میرا وہ میجک بال دراصل ایک خاص قسم کا کمپیوٹر ہے۔ واقعی جادو کی گیند نہیں ہے کہ مافوق الفطرت سوانح کی نشاندہی کر سکے۔ کسی دوسرے کُرے کے کسی باشندے نے تم سے اس طرح رابطہ قائم کرلیا ہے اور تمہارے توسط سے ہمارے کُرے پر بھی جسمانی طور پر وارد ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''تمہاری باتیں ہی مجھے پاگل بنا دیں گی۔''

''اوہ......دقیانوسی باتیں نہ کرو۔ تم بیسویں صدی کے اواخر میں سانس لے رہے ہو۔''

''میں کچھ نہیں سمجھ سکتا۔''

''اب اپنے گھر جا کر آرام کرو۔'' میں اُسے جسمانی طور پر اپنے کُرے پر لاؤں گی اور وہ ایک دن تمہاری ہی طرح میرے سامنے بیٹھا گفتگو کر رہا ہوگا۔''

''خدا کی پناہ۔'' اوزاکا حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔

''کل اسی وقت پھر آنا۔'' پامیلا بار کے پیچھے سے نکلتی ہوئی بولی اور اوزاکا بھی واپسی کے لئے اُٹھ گیا۔

ڈربی ہاؤز سے نکل آنے کے بعد بھی وہ پامیلا کی سحر انگیز شخصیت کے بارے میں سوچتا رہا۔ آدھا راستہ طے ہو جانے کے باوجود اُس نے اتنی دیر تک صرف اس کے سراپا پر غور کیا تھا۔ پل بھر کے لئے بھی پرچھائیں یاد نہیں آئی تھی۔ لیکن پھر اچانک اُس نے ایک جگہ گاڑی ہی روک دی اور سیٹ کی پشت گاہ سے ٹک کر گہری گہری سانسیں لینے لگا۔

پرچھائیں؟ کیا وہ پرچھائیں کے راز سے آگاہ نہیں تھا۔ پھر کیوں وہ پامیلا کی باتوں میں کھویا رہا تھا۔ اس کے خیال سے کیوں متفق ہو گیا تھا کہ وہ پرچھائیں کسی دوسرے سیارے

کی مخلوق ہے؟ اُف فوہ! کیسی چوٹ ہوئی۔ پامیلا غلط کہتی ہے کہ وہ محض ایک کرایہ دار کی حیثیت سے وہاں مقیم ہے اور پچھلے کرایہ دار سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ وہ یقینی طور پر تنظیم ہی سے متعلق ہے اور اس طرح اُس نے پرچھائیں کے بارے میں اُسے بتایا تھا کہ وہ خود بھی پرچھائیں کو کس طرح استعمال کرسکتا ہے۔

ایک بار پھر اوزاکا کے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ چھوٹ پڑا۔

وہ گھنٹوں بھٹکتے پھرے لیکن نہ تو صبح ہوئی اور نہ وہ کسی باقاعدہ سڑک ہی تک پہنچ سکے۔ جیروم کی موجودگی میں حمید جیبی ٹرانسمیٹر بھی استعمال نہیں کرسکتا تھا۔ اس نامعقول آدمی کا وجود اُسے بے حد کھلنے لگا تھا۔ لیکن کیا کرتا۔ یہ مرض خود ہی اُس نے اپنے گلے لگایا تھا۔ بہت زیادہ عقلمند بننے کی کوشش کی تھی۔ جس کی سزا اب بھگت رہا تھا۔ فریدی سے پوچھے بغیر بھی وہ اُسے اپنے محکمے کی حوالات میں دے سکتا تھا۔ جوڈیتھ گراہم تو تھی ہی اُس کی چیرہ دستیوں کی گواہ۔ وہ کیسے انکار کرسکتی تھی کہ جیروم نے اُس کا گلا گھونٹنے کی کوشش کی تھی۔ اُوہ......حمید کو خود اپنے اوپر بھی غصہ آنے لگا۔ آخر اس وقت یہ سب کچھ سوچنے کی کیا ضرورت ہے اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ دماغ ٹھنڈا رکھو ورنہ مزید دشواریوں میں پڑو گے حمید صاحب۔ اچانک دور سے کسی مرغ کے بانگ دینے کی آواز آئی اور وہ اچھل پڑا۔ یقیناً وہ کسی بستی کے قریب تھے جو بستی بھی رہی ہو وہاں پہنچ کر کم از کم اپنی صحیح پوزیشن تو معلوم ہوجائے گی اور وہاں کے لوگ رہنمائی تو کرسکیں گے۔

''اس طرح اچھلے کیوں تھے؟'' جیروم نے پوچھا۔

''ایک ایسی لڑکی یاد آ گئی تھی جس کے سر پر سینگ ہیں۔''

''ایسے حالات میں بھی تمہیں لڑکیاں یاد آ سکتی ہیں۔'' جیروم نے حیرت سے کہا۔

'' کیسے حالات میں؟''

''تم دیکھ نہیں رہے۔''

''میں دیکھ رہا ہوں لیکن چاروں طرف اندھیرا ہے۔''

''اب مجھ سے نہیں چلا جاتا۔'' جیروم جھلا کر بولا۔

''تو پھر لیٹ جاؤ۔ مجھے ایسی کوئی شکایت نہیں ہے..... میں بدستور چلتا رہوں گا۔''

''یعنی مجھے یہیں چھوڑ جاؤ گے۔''

''اور نہیں تو کیا بیٹھ کر تمہارا سر سہلاؤں گا۔''

''کبھی کبھی تم ایک غیر ہمدرد اور سفاک انسان معلوم ہونے لگتے ہو۔''

''جب جیسے حالات ہوتے ہیں اُسی کے مطابق بن جاتا ہوں۔''

''اچھا ایک بات تو بتاؤ۔'' جیروم نے کہا۔''انہوں نے ہمیں پکڑنے کے لئے اتنی جدوجہد کی تھی۔ پھر ہم اتنی آسانی سے نکل کیسے آئے۔''

''میں کیا جانوں۔'' حمید بھنا کر بولا۔ وہ چاہتا تھا کہ جیروم تو کم از کم خاموش ہی رہے۔ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ کبھی کسی کانے مرد کے ہمراہ بے کارواں ہونا پڑے گا۔ اُسے کوئی ایسا موقعہ یاد نہ آیا جب اپنے جھنڈ سے بچھڑ جانے کے بعد کوئی عورت اُس کے ساتھ نہ رہی ہو اور دونوں بے سروسامانی کے رومان سے لذت اندوز نہ ہوئے ہوں۔ لیکن یہ خبیث کانا مرد۔ واقعی ستارے گردش ہی میں تھے۔ نحوست طاری تھی اُس کے زائچے پر۔ ایک خوبصورت عورت پر قاتلانہ حملہ کرنے والے کانے مرد کو ساتھ لئے پھر رہا تھا۔

اس دوران میں مرغ نے کئی بانگیں دی تھیں اور حمید نے آواز کی سمت کا اندازہ لگا کر اُسی جانب چلنا شروع کردیا تھا۔

''واقعی اب نہیں چلا جاتا۔'' جیروم کراہا۔

''اس بار دھرے گئے تو گولی ہی ماردی جائے گی۔'' حمید نے کہا اور چلتا رہا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اب جیروم گر ہی پڑے گا۔ افق میں ہلکا سا اُجالا تھا اور اسی کے پیش منظر میں کسی دیہی بستی کے آثار دکھائی دینے لگے تھے۔ لیکن ابھی حمید پوری طرح خوش بھی نہیں ہوسکا تھا کہ اُس نے اُسی بستی کے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں اور وہ پوری طرح خیالات کی دنیا سے نکل آیا۔ کتوں کا تو دھیان ہی نہیں رہا تھا۔ اگر وہ اُجالا ہونے سے قبل بستی میں داخل ہوئے تو کتوں اور اُن لوگوں سے پیچھا چھڑانا دشوار ہوجائے گا جو اُنہیں

چور یا ڈاکو سمجھ کر حملہ آور ہوں گے۔

''رک جاؤ۔'' حمید نے جیروم سے کہا اور وہ رک گیا۔

''بیٹھ جاؤ۔''

''سچ مچ......!'' وہ پُرمسرت لہجے میں بولا اور دھم سے بیٹھ گیا۔

''اب لیٹ جاؤ۔''

''کک......کیا مطلب......!''

''روشنی ہونے سے پہلے اگر کسی بستی میں داخل ہوئے تو آوارہ کتے بھنبھوڑ ڈالیں گے۔''

''آوارہ کتوں کا بہت بہت شکریہ۔'' جیروم کہتا ہوا لیٹ گیا۔

زمین سخت اور مسطح تھی اور گھاس پھوس سے مبرا صاف ستھری جگہ تھی۔

''تم بھی لیٹ جاؤ۔'' جیروم نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

''تمہارے پاس......؟'' حمید بھڑک کر بولا۔

''نہیں مجھ سے دور۔ رات کو میرے منہ سے بدبو آنے لگتی ہے۔''

کتوں کا شور اب بھی سنائی دے رہا تھا۔ حمید جیب سے تمباکو نکال کر سگریٹ رول کرنے لگا۔

''اگر زندہ رہا تو یہ تجربہ کبھی نہ بھلا سکوں گا۔'' جیروم نے کہا۔

''اور میں بھی۔ کیونکہ تم میری زندگی میں پہلے اجنبی مرد ہو۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''اس سے پہلے بھی بارہا اس طرح آوارہ گرد ہو چکا ہوں لیکن ہمیشہ کوئی اجنبی عورت میرے ساتھ رہی ہے۔''

''مجھے بے حد افسوس ہے۔'' جیروم ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''سوال یہ ہے کہ......!'' حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

''ہاں......کہو......کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''شہر پہنچ کر ہماری راہیں الگ ہوں گی۔ نہ اب مجھے تنظیم سے کوئی سروکار ہے اور نہ تم سے......لہٰذا......!''

''نہیں دوست! مجھ پر رحم کرو۔ میں اب اُن لوگوں میں واپس نہیں جا سکتا جن سے جان پہچان ہے۔ تمہارے علاوہ اب اور کسی سے بھی میری واقفیت نہیں۔ بس اتنے دن اور میرا ساتھ دو کہ میں اس ملک ہی سے نکل جاؤں۔''

''تنہا رہ کر بھی ایسا کر سکتے ہو۔''

''نہیں دوست! مجھے خود کو چھپائے رکھنا پڑے گا۔ اس لئے میک اپ ضروری ہے اور تم میک اپ کے ماہر معلوم ہوتے ہو۔ آج سے تمہارے اخراجات بھی میرے ذمے۔ تمہاری ایک کوڑی بھی خرچ نہ ہوگی۔''

''خیر...... میں اس پر غور کروں گا۔''

تھوڑی دیر بعد انہوں نے ریلوے ٹرین کی آواز سنی اور ٹرین کی روشنیاں بھی دیکھیں۔ فاصلہ بہت زیادہ نہیں تھا اور ٹرین بھی سست رفتار تھی۔ گویا کوئی ریلوے اسٹیشن بھی قریب ہی تھا۔

جیروم اُٹھ بیٹھا اور آہستہ سے بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ کوئی ریلوے اسٹیشن قریب ہے۔''

''لیٹے رہو چپ چاپ۔'' حمید بولا۔ ''روشنی ہونے سے قبل ہم یہاں سے ہلیں گے بھی نہیں۔''

''لیٹے رہنے سے کہیں نیند نہ آ جائے۔''

''سو جاؤ۔ میں جاگ رہا ہوں۔''

''نہیں...... تم مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔''

حمید کا دل چاہا کہ ایک جھاپڑ رسید کر دے۔ کیا لونڈیوں کی طرح ٹھنک کر کہہ رہا ہے کہ تم مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔

سورج طلوع ہو جانے کے بعد وہ وہاں سے اُٹھے تھے اور بستی کی طرف جانے کی بجائے اُس سمت چل پڑے تھے جدھر سست رفتار ٹرین کو جاتے دیکھا تھا۔ اس طرح وہ ایک چھوٹے سے دیہی ریلوے اسٹیشن تک پہنچ سکے۔

''یہاں سے شہر بیس میل دور ہے۔'' حمید نے جیروم کو بتایا۔

''دیکھو کب کوئی ٹرین ملتی ہے۔'' جیروم ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''ابھی معلوم ہو جائے گا۔ تم یہیں ٹھہرو۔'' کہتا ہوا حمید بکنگ آفس کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں سے ملنے والی اطلاع کے مطابق انہیں قریباً ساڑھے تین گھنٹے انتظار کرنا پڑتا۔

''یہ تو بہت بُرا ہوا۔'' جیروم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''تمہارے ساتھ کچھ اچھا بھی ہوا ہے کبھی۔'' حمید نے بھنا کر پوچھا۔

''اچھا بھی ہوا ہے کیا یہ میری خوش قسمتی نہیں ہے کہ تم جیسا دوست مل گیا ہے مجھے۔''

حمید اُسے صرف تیز نظروں سے گھور کر رہ گیا تھا۔ بھوک لگ رہی تھی۔اس لئے چڑ چڑاہٹ کا دورہ پڑا تھا۔ اس دیہی اسٹیشن پر کھانے پینے کی چیزیں صرف گاڑیوں کی آمد کے اوقات میں ملتی تھیں۔ حمید نے سوچا ساڑھے تین گھنٹے یہاں منتظر رہنے سے تو یہ بہتر ہوگا کہ بستی ہی کا رخ کیا جائے۔ وہاں کھانے کو کچھ نہ کچھ ضرور مل جائے گا۔

وہ بستی کی جانب چل پڑے۔ میدان میں دھوپ پھیل چکی تھی۔ دفعتاً حمید چلتے چلتے رک گیا۔ اُس کی نظر اپنی پرچھائیں پر پڑی تھی جس سے ایک اور پرچھائیں برآمد ہو رہی تھی۔ جیروم بھی رک گیا اور وہ بھی اُسی کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ ایک پوری پرچھائیں۔ وہ اس کی پرچھائیں سے تھوڑے ہی فاصلے پر رک گئی۔ حمید نے بوکھلا کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں لیکن دور دور تک ان دونوں کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ پرچھائیں پھر حرکت میں آئی اور ان دونوں کے گرد تیزی سے چکر لگانے لگی۔ پرچھائیں کے ساتھ ہی حمید بھی ناچ رہا تھا۔ جیروم حیرت سے منہ پھاڑے کھڑا رہا۔ چکر لگاتے لگاتے دفعتاً وہ پرچھائیں حمید کی طرف جھپٹی اور حمید بھڑک کر بھاگا۔ لیکن پرچھائیں اُس سے کہیں زیادہ تیز رفتار تھی۔ آگے بڑھ کر اُس نے اس کا راستہ روک لیا۔ حمید پھر پلٹ کر بھاگا۔ لیکن اس بار زیادہ دور نہیں جاسکا تھا۔ دوڑتی ہوئی پرچھائیں پھر راہ میں حائل ہوگئی۔ جیروم دور کھڑا چیخے جا رہا تھا۔''یہ کیا کر رہے ہو۔ کیا ہوگیا ہے تمہیں۔ ہوش میں آؤ۔'' لیکن حمید نے تو اب افریقی جنگلیوں کی طرح اچھل کود شروع کردی تھی اور وہ اس پر مجبور تھا۔ پرچھائیں ایسے زاویوں اور تواتر سے اُس پر جھپٹ رہی تھی کہ سچ مچ کسی وحشیانہ رقص ہی کا سا پیٹرن بن گیا تھا۔ بس اس کی کسر رہ گئی تھی کہ کسی جانب سے ڈھول اور تاشوں کی آوازیں بھی بلند ہونے لگتیں۔

''اوہ ...... بھائی...... عدنان...... مجھے خوف زدہ مت کرو۔'' جیروم گھٹی گھٹی سی آواز میں چیخا۔ لیکن حمید کو اتنا ہوش کہاں تھا کہ جواب دیتا۔ شائد اس کی آواز ہی اس کے کانوں میں نہیں پڑ رہی تھی۔ اس کی نگاہ صرف اس پرچھائیں پر تھی۔ اس کے علاوہ اور نہ کچھ دیکھ رہا

تھا اور نہ سن رہا تھا۔ اُچھل کود میں بتدریج تیزی آتی جارہی تھی اور پھر یک بیک وہ پر چھائیں اس کی اپنی پر چھائیں میں مدغم ہوگئی۔ لیکن اُچھل کود اب بھی جاری تھی۔

حمید پر گویا دورہ سا پڑ گیا تھا۔ اُدھر جیروم کا یہ عالم تھا کہ کبھی دو چار قدم اُس کی طرف بڑھتا اور کبھی بھڑک کر پیچھے ہٹ جاتا۔ حمید بھی دیکھ رہا تھا کہ دوسری پر چھائیں غائب ہوگئی ہے لیکن اُس وحشیانہ رقص کو روک دینا اُس کے بس میں نہیں تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اُن کے اعصاب ارادے کی گرفت سے نکل گئے ہوں۔

پھر اُس کا سر چکرایا تھا اور پورا ماحول تیزی سے گردش کرنے لگا تھا۔ اس کے بعد کی اُسے سدھ ہی نہ رہی تھی۔

''عدنان.....عدنان۔'' جیروم اُس کی طرف جھپٹا کیونکہ اب وہ زمین پر بالکل بے حس وحرکت پڑا ہوا تھا۔

شہر میں سنسنی پھیل گئی تھی۔ اسٹار کے کرائم رپورٹر انور کی آپ بیتی ایسی ہی تھی۔ جو کچھ اُس پر گزری تھی اُسے بے کم و کاست لکھ دیا تھا۔ جو اُسے قریب سے جانتے تھے اُن کا خیال تھا کہ یہ کسی قسم کا اسٹنٹ ہی ہوسکتا ہے۔ لیکن اس کا فیصلہ کرنا اُن کے لئے بھی محال تھا کہ وہ اس طرح پولیس کو بلیک میل کرنا چاہتا ہے یا سچ مچ کوئی مجرم اُس کا نشانہ تھا۔ بہر حال پولیس نے انور کو گھیر لیا اور اُسے اس پبلک پارک میں لے جایا گیا جہاں پچھلے دن پر چھائیں نے توڑ پھوڑ مچائی تھی۔ ویسے وہاں جو نقصانات ہوئے تھے ان کی رپورٹ وہاں کے نگرانوں نے پچھلے دن ہی کردی تھی۔ لیکن اُس رپورٹ کو اس وقت تک کوئی خاص اہمیت نہیں دی گئی تھی جب تک اسٹار کا آج کا شمارہ بازار میں نہیں آ گیا تھا۔ وہ پولیس پارٹی جو انور کو اس پارک میں لے گئی تھی اُس کے ساتھ کئی بڑے آفیسر بھی تھے۔ مطلع صاف تھا اور پورے پارک میں دھوپ بکھری ہوئی تھی۔ انور آفیسروں سے گفتگو کرتے وقت بار بار اپنی پر چھائیں کو دیکھے جارہا تھا۔ دفعتاً چیخ پڑا۔ ''وہ دیکھئے۔''

اس کی پر چھائیں سے دوسری پر چھائیں نکل رہی تھی۔ آفیسروں نے بھی دیکھا اور کئی قدم پیچھے ہٹ گئے۔ پر چھائیں پارک کے جنگلے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے جنگلہ اپنی جگہ سے اُکھڑ کر سڑک پر جا پڑا۔ پر چھائیں پارک سے نیچے اُتر رہی تھی۔ پھر وہ پولیس کی خالی گاڑیوں کی طرف بڑھی اور وہ ایک ایک کر کے ٹین کے کھلونوں کی طرح پچکتی چلی گئیں۔ سب اپنی جگہوں پر دم بخود کھڑے تھے۔ پر چھائیں پھر پارک کی طرف پلٹی اور پھر جس کے جدھر سینگ سمائے نکل بھاگا۔ خود انور بھی اُن ہی میں شامل تھا۔ پھر وہ کیسے دیکھتا کہ اب پر چھائیں دوبارہ اس کی اپنی پر چھائیں میں مدغم ہوگئی تھی۔ پتہ نہیں کس طرح اپنی موٹر سائیکل تک پہنچا تھا۔

پھر فلیٹ تک پہنچتے پہنچتے پسینے میں نہا گیا۔ یہاں رشیدہ اُس کی واپسی کی منتظر تھی اُسے اس حال میں دیکھ کر بوکھلا گئی۔

''فکر نہ کرو۔'' وہ ہاتھ ہلا کر بولا۔ ''اس وقت جو کچھ بھی ہوا ہے میرے حق میں اچھا ہی ہوا ہے۔ ورنہ وہ کسی طرح بھی میری بات پر یقین نہ کرتے۔''

''آخر ہوا کیا؟''

''پر چھائیں نے ان کی آنکھوں کے سامنے ان کی گاڑیاں تباہ کر دیں۔''

''نہیں......!'' رشیدہ اچھل پڑی۔

''یہی ہوا ہے اور وہ سب بھاگ کھڑے ہوئے۔''

''اور وہ تمہاری ہی پر چھائیں سے نکلی تھی۔''

''ہاں اور انہوں نے بھی دیکھا تھا۔''

''سمجھ میں نہیں آتا کہ کرنل فریدی بھڑوں کے کس چھتے کو چھیڑ کر خود کہاں غائب ہو گئے۔''

''بس ختم کرو۔'' انور ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ ''اب میں دھوپ میں باہر نہیں نکل سکتا۔''

''نکلنا بھی نہ چاہئے۔ ہوسکتا ہے کہ اب وہ تمہیں کسی کال کوٹھری میں بند کر دیں۔''

''میں کہتا ہوں ختم کرو یہ بکواس۔ چائے بناؤ۔''

رشیدہ کچن کی طرف دوڑ گئی اور انور آرام کرسی پر گر کر گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ زندگی میں شاید ہی کبھی اتنا پریشان ہوا ہو۔ دفعتاً فون کی گھنٹی بجی۔ طوعاً وکرہاً اُٹھا اور کال

ریسیو کی۔

''ایس پی کرائمنر۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''یہ سب کیا تھا مسٹر انور؟''

''وہی جو میں نے لکھا تھا۔'' انور نے خشک لہجے میں کہا۔ ''آپ موجود تھے۔ آپ نے خود دیکھ لیا۔''

''تو آپ جانتے ہیں کہ فریدی صاحب کہاں ہیں؟''

''میری کس بات سے آپ نے اندازہ لگالیا کہ میں جانتا ہوں۔''

''میں نے سوال کیا ہے مسٹر انور۔''

''جی نہیں۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہیں۔''

''اچھی بات ہے۔ آپ براہِ کرم اپنے فلیٹ ہی تک محدود رہیے۔ باہر نکلنے کی ضرورت نہیں۔''

''بہت بہت شکریہ۔''

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر اُس نے ریسیور کریڈل پر رکھا اور کچن کی طرف چل دیا۔ رشیدہ ٹی پاٹ میں پانی انڈیل رہی تھی۔

''تم کیوں چلے آئے...... جاؤ آرام کرو۔''

''شٹ اَپ...... میری بات سنو۔''

''کیا ہے؟''

''یہاں سے چلی جاؤ اور اب ادھر کا رخ بھی مت کرنا۔''

''کک...... کیا...... مطلب......؟'' وہ اُسے حیرت سے دیکھتی ہوئی ہکلائی۔ انور بے حد سنجیدہ نظر آرہا تھا اور رشیدہ نے اس کی آنکھوں میں ایسی ہی کوئی بات پڑھ لی تھی کہ چپ چاپ کچن کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

انور اس کے پیچھے پیچھے دروازے تک آیا۔ وہ پھر اُس کی طرف مڑی۔

''جاؤ...... فوراً۔'' وہ دروازے کی طرف ہاتھ اُٹھا کر غرایا اور رشیدہ بوکھلا کر باہر نکل گئی۔

دروازہ بند کر کے وہ پھر کچن کی طرف جا ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔

''ہیلو......!'' وہ ریسیور اُٹھا کر ماؤتھ پیس میں بولا۔

دوسری جانب سے فریدی کے محکمے کا ایک آفیسر تھا۔

''ڈی آئی جی صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔'' اُس نے کہا۔

''لیکن ایس پی کرائمنر نے مجھے فلیٹ تک محدود کر دیا ہے۔ خصوصاً دھوپ میں باہر نہیں نکل سکتا۔''

''تحریری حکم ہے؟'' دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

''جی نہیں زبانی۔''

''تو پھر آپ آسکتے ہیں۔ ہم دیکھ لیں گے۔''

''دیکھئے جناب! میں خود بھی یہ خطرہ مول لینا نہیں چاہتا۔ گاڑیوں کی تباہی کی اطلاع تو آپ کو مل ہی چکی ہوگی۔ میرا خیال ہے کہ کرنل صاحب کی کوٹھی کے ایک حصے کا انہدام بھی اسی سلسلے کی کوئی کڑی ہے۔''

''کیا آپ کو علم ہے کہ کرنل فریدی کہاں ہیں؟''

''دیکھئے جناب! اگر مجھے علم ہوتا تو میں وہ کہانی کبھی نہ چھاپتا۔ یہ کہانی اسی لئے منظر عام پر آئی ہے کہ نامعلوم مجرموں کو کرنل کی تلاش ہے۔''

دوسری طرف سے کسی ریمارک کی بجائے رابطہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔

ریسیور کریڈل پر رکھ کر وہ پھر کچن کی طرف چلا گیا۔ لحظہ بہ لحظہ الجھن بڑھتی جارہی تھی۔ آخر اُس پرچھائیں سے کس طرح پیچھا چھوٹے گا۔ آخر یہ ہے کیا بلا۔

چائے کی پیالی لئے ہوئے پھر سٹنگ روم میں واپس آ گیا۔ پہلا گھونٹ لینے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ بُرا سا منہ بنا کر اُس نے ریسیور اٹھایا اور دوسری طرف سے کسی نے پوچھا۔ ''مسٹر انور۔''

''ہاں میں انور ہی ہوں۔''

''تو مسٹر انور میں یہی چاہتا تھا کہ تمہاری رپورٹنگ ایسی ہی ہو۔''

''اوہ......تو تم ہو۔'' انور کو وہی آواز یاد آ گئی جو اُس نے ایک نامعلوم عمارت کے ایک کمرے میں سنی تھی۔

''ہاں مسٹر انور......اور اب میں معاوضہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔''

انور دانت پیس کر رہ گیا کچھ بولا نہیں۔ دوسری طرف سے پھر آواز آئی۔ ''ہیلو......کیا

تم سن رہے ہو مسٹر انور۔''

''ہاں...... میں سن رہا ہوں۔''

''تو معاوضہ یہ ہے مسٹر انور کہ یہ پرچھائیں تمہیں ہمیشہ کے لئے بخش دی گئی۔''

''لیکن میرے کس کام کی۔''

''تمہارے حکم کی تابع رہے گی۔ تم اپنے بڑے سے بڑے دشمن پر حاوی رہو گے۔ جب اُسے طلب کرنا ہو بہ آواز بلند کہنا اے ہمزاد حاضر ہو اور جب وہ ظاہر ہو جائے تو اُس سے جو کچھ بھی کرانا مقصود ہو کہہ دینا۔''

''کیا وہ میرے لئے پنواڑی کی دوکان سے سگریٹ کا پیکٹ بھی لا سکے گی۔'' انور نے بُرا سا منہ بنا کر پوچھا۔

''نہیں...... وہ صرف تباہی کر سکتی ہے۔ تمہاری خواہش پر پہاڑوں تک کو ریزہ ریزہ کر دے گی۔''

''میرے لئے بے کار ہے۔ تم اُسے واپس لے سکتے ہو۔''

''نہیں مسٹر انور...... جو چیز عطا کر دی گئی ہو واپس نہیں لی جا سکتی۔''

انور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دوسری طرف سے رابطہ منقطع کر دیا گیا۔ اُس نے ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے سوچا اب پتا نہیں کیا بکواس کر رہا تھا۔ خوب گویا ہمزاد طابع ہو گیا ہے۔ کیوں نہ امتحان کیا جائے۔ لیکن کہاں؟ باہر نکلنا پڑے گا۔ پتا نہیں اب کے کیا قیامت ڈھائے۔

چائے کی پیالی اُٹھائی اور دو گھونٹ لے کر سگریٹ سلگانے لگا۔ فون کی گھنٹی پھر بجی۔ ہاتھ بڑھا کر ریسیور اُٹھا لیا اور اس بار اُس کی آنکھوں میں چمک پھر سے عود کر آئی۔ کیونکہ دوسری طرف سے کیپٹن حمید کی آواز آئی تھی۔

''میں نے تمہاری رپورٹ پڑھ لی اور ابھی ابھی پبلک پارک والی ہڑبونگ کی اطلاع بھی ملی ہے۔ کیا تم اُس جگہ کی نشاندہی کر سکو گے جہاں تم نے وہ آواز سنی تھی۔''

''نہیں، کیونکہ اُسی کمرے تک محدود رہا تھا لیکن تم کہاں ہو۔ کرنل صاحب کہاں ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ اسی لئے ہوا ہے۔'' انور نے کہا۔

''میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہیں اور میں بھی کہیں بھی نہیں ہوں۔''

''کیا مطلب؟''

''میں بھی اُسی مرض میں مبتلا ہو گیا ہوں جس میں تم مبتلا کئے گئے ہو۔''

''کس طرح؟''

''تفصیل میں نہیں جا سکتا۔ میرا مشورہ ہے کہ اب تم اپنے فلیٹ سے باہر مت نکلنا۔''

''پہلے میں نے بھی یہی فیصلہ کیا تھا۔ لیکن اب اس کا خدشہ باقی نہیں رہا کہ وہ پرچھائیں میری مرضی کے خلاف بھی کچھ کرے گی۔''

''میں نہیں سمجھا۔ وضاحت کرو۔''

انور نے وہ گفتگو دہرادی جو اس سے قبل فون پر اُس نامعلوم آدمی سے ہوئی تھی۔

''تب تو تم اُسے ضرور آزماؤ گے۔'' حمید کی آواز آئی۔

''سوچ رہا ہوں۔''

''ابھی دھوپ ہے کیوں نہ جھریالی کے میدان کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ میں بھی وہیں مل جاؤں گا۔ پھر دیکھیں گے۔''

''ابھی میں تمہارے ڈی آئی جی سے کہہ چکا ہوں کہ میں فلیٹ سے باہر نہیں نکل سکتا۔ وہ مجھ سے ملنا چاہتا تھا۔''

''اس کی پرواہ مت کرو۔ جھریالی کی طرف نکل جاؤ۔ میں وہیں ملوں گا۔''

انور سوچ رہا تھا کہ اُسے حمید سے ضرور ملنا چاہئے۔ آخر اس جملے کا کیا مطلب تھا کہ وہ بھی اسی مرض میں مبتلا ہو گیا ہے؟ یعنی اُس پر بھی کوئی پرچھائیں مسلط ہو گئی ہے۔

دفعتاً وہ چونک پڑا کوئی دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ وہ اُٹھ کر دروازے کے قریب پہنچا اور دروازہ کھولنے سے قبل پوچھا ''کون ہے؟''

''آصف......!'' باہر سے انسپکٹر آصف کی آواز آئی۔ انور دروازہ کھول کر پیچھے ہٹ آیا اور آصف اُسے گھورتا ہوا اندر داخل ہوا۔

''خوب...... میں تو سمجھا تھا شائد تمہارے ڈی آئی جی صاحب بہ نفس نفیس تشریف لے آئے ہیں۔''

''وہ کیوں آنے لگے۔'' آصف پھاڑ کھانے دوڑا۔

''فون پر ملاقات کی خواہش ظاہر کی تھی۔''

''میں تم سے صرف یہ پوچھنے آیا تھا کہ اس فراڈ کا کیا مقصد ہے۔''

''کیا میں تمہارے ڈی آئی جی کو مطلع کردوں کہ تم اُن کی نمائندگی کرنے گئے ہو۔''
انور نے فون کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

''ٹھہرو۔'' آصف ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ ''زیادہ حماقتیں کرنیکی ضرورت نہیں۔ تم ڈوب چکے ہو۔''

''پانی کی سطح کے نیچے بھی تیر سکتا ہوں مسٹر آصف۔''

''تمہیں علم نہیں کہ عنقریب تمہاری گرفتاری کا وارنٹ حاصل کرلیا جائے گا۔''

''اس کے باوجود بھی میری گرفتاری امر محال ہوگی۔'' انور نے کہا اور پھر پوچھا۔

''کیا تم اپنی گاڑی میں آئے ہو۔''

''کیوں؟''

''اگر تم اس وقت میرے ساتھ جھریالی چل سکو تو میں تمہیں بہت کچھ بتا اور دکھا سکتا ہوں۔''

''کیا دکھاؤ گے۔''

''یہی کہ اس شہر میں تنہا میں ہی آسیب زدہ نہیں ہوں۔ ایک آدمی اور بھی ہے۔''

''اور اگر تم اسے ثابت نہ کرسکے تو......؟''

''خود کو وارنٹ کے بغیر ہی گرفتاری کے لئے پیش کردوں گا۔''

''اچھی بات ہے۔ پرسوں تو تم میرے آدمیوں کو ڈوج دینے میں کامیاب ہوگئے تھے، لیکن آج......!''

''دراصل تمہارے ایک آدمی کو پہچان لینے کے بعد میں پھر شہر کی طرف پلٹ پڑا تھا اور وہ دونوں آگے نکل چلے گئے تھے۔ اُسی وقت ان لوگوں نے مجھے گھیر لیا۔''

''تم جا کہاں رہے تھے؟''

''اسٹیل ملز......جس کا منیجر پاگل ہوکر مرگیا۔ وقت نہ برباد کرو۔ چلو میرے ساتھ۔ بقیہ باتیں گاڑی میں ہوں گی۔ ہوسکتا ہے اس بار بھی تمہاری قسمت یاوری کرے اور دوسرے منہ ہی دیکھتے رہ جائیں۔ پہلے بھی کئی بار تمہارے کام آچکا ہوں۔''

آصف کسی سوچ میں پڑ گیا۔ انور اُس کے ساتھ محض اس لئے جانا چاہتا تھا کہ گاڑی

میں دھوپ سے محفوظ رہے گا۔ موٹر سائیکل پر یہ آسانی نصیب نہ ہوسکتی۔

آخر آصف تھوڑی دیر بعد سر ہلا کر بولا۔ ''اچھی بات ہے چلو لیکن اس نکتے کو ایک لمحے کے لئے بھی فراموش نہ کرنا کہ بہت خراب پوزیشن میں ہو۔''

''بے فکر رہو۔ تمہیں میری ذات سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔'' انور نے کہا۔ ویسے بھی اُسے یقین تھا کہ حمید میک اپ میں ہوگا۔ ورنہ پھر روپوشی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

دونوں باہر نکلے اور گاڑی میں بیٹھ گئے۔ آصف نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ ''آخر اس معاملے میں فریدی کی کیا پوزیشن ہے؟''

''یہی تو سمجھ میں نہیں آتا۔'' انور نے جواب دیا۔ گاڑی حرکت میں آچکی تھی۔ آصف نے ایکسیلریٹر پر مزید دباؤ ڈالا اور انور نے کہا۔ ''اس نامعلوم شخص کی یہی خواہش تھی کہ میں اُس کی دھمکی تم لوگوں تک اسی انداز میں پہنچا دوں۔ اس کے عیوض اُس نے مجھے اس پرچھائیں کا مالک بنا دیا ہے۔''

''کیا مطلب......؟''

''اُس نے اُسے میری تابع فرمان کر دیا ہے۔ میں جب چاہوں اُسے طلب کرسکتا ہوں۔ وہ میرے حکم پر حرکت کرے گی۔''

''میں یقین نہیں کرسکتا۔''

''ابھی تم دیکھ ہی لو گے۔ جھریالی کا میدان اسی لئے منتخب کیا گیا ہے کہ اُدھر میلوں تک کسی آبادی کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ تباہ کاری کا امکان اس طرح ختم ہوجاتا ہے۔''

''ہم خود تو ہوں گے وہاں...... مم...... میری گاڑی۔'' آصف ہکلا کر رہ گیا۔

''فکر نہ کرو...... ہمیں کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔ گاڑی ہم بہت دور چھوڑ دیں گے۔''

آصف رفتار بڑھاتا رہا اور وہ بالآخر جھریالی کی حدود میں داخل ہوگئے۔ ایک جگہ انور نے ایک اور گاڑی کھڑی دیکھی اور آصف سے اُدھر ہی چلنے کو کہا۔

''کیوں؟ وہ کون ہے؟'' آصف نے پوچھا۔

''وہی شخص جس نے خود بھی آسیب زدہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔''

دوسری گاڑی میں ایک جدید وضع کا باریش آدمی بیٹھا ہوا نظر آیا۔ انور پر نظر پڑتے ہی

اُس نے ہاتھ ہلایا تھا۔ آصف نے اُس کی گاڑی کے برابر ہی اپنی گاڑی روک دی۔ دونوں نیچے اُترے اور انور نے اونچی آواز میں آصف سے کہا۔ ''یہ ہیں کریم الدین صاحب۔ یہ بھی ایک پرچھائیں سے نوازے گئے ہیں اور یہ ہیں میرے دوست مسٹر آصف۔''

دونوں نے مصافحہ کیا۔ حمید کی شکل دیکھ کر انور کو یہی نام سوجھا تھا۔ حمید تو خاموش ہی رہا۔ اُسے اپنا عدنان خلیلی والا میک اپ بھی ختم کر دینا پڑا تھا۔

''ہاں تو بھائی کریم الدین اب کیا کہتے ہو۔'' انور نے اس سے پوچھا۔

''تم سے فون پر گفتگو کرنے کے بعد میں نے بھی وہی نسخہ آزمایا اور پانچ یا چھ منٹ بعد پرچھائیں نمودار ہوگئی اور میرے دوسرے احکامات کی تعمیل کرتی رہی۔ لہٰذا اب میری ایک تجویز ہے۔ الگ چلو تو بتاؤں۔''

آصف نے انور کو گھور کر دیکھا لیکن وہ اُس کی پرواہ کئے بغیر حمید کا بازو پکڑ کر اُسے دور لے آیا۔

''ہم اپنے سایوں کو الگ الگ طلب کریں۔'' حمید آہستہ سے بولا۔

''پھر دونوں کو آپس میں لڑا کر رفو چکر ہو جائیں۔''

''بے وقوفی کی بات۔'' انور بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''یہ بھی کر کے دیکھ لیں۔ شائد اس طرح اُن سے نجات مل جائے۔''

''مایوسی ہوگی۔'' انور ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''میں تو اس خیال کے تحت چلا آیا تھا کہ دونوں مل کر کوئی ڈھنگ کی بات سوچیں گے۔''

''ڈھنگ کی بات اس وقت سوچی جا سکتی ہے جب زیرِ نظر معاملے کا کوئی سر پیر بھی ہو۔''

''اس کے باوجود بھی۔'' انور کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

''پہلے تم یہ بتاؤ کہ اس خبیث کو ساتھ لانے کی کیا ضرورت تھی؟'' حمید نے تیز لہجے میں سوال کیا۔

''موٹر سائیکل پر نہیں آنا چاہتا۔ اس وقت یہی گاڑی سمیت ہاتھ لگ گیا۔''

''خیر خیر......تو پھر کیا کہتے ہو۔ مجھے یہ دیکھنا ہے کہ دونوں پرچھائیاں ہمارے اس حکم کی تعمیل بھی کرتی ہیں یا نہیں۔''

انور گومگو کے عالم میں تھا۔ قوتِ فیصلہ جواب دے چکی تھی۔ بالآخر اس نے کہا۔ ''اچھی بات ہے۔ یہ تجربہ بھی کئے لیتے ہیں لیکن گاڑیوں سے بہت دور کرو تا کہ جان بچا کر بھاگ بھی سکیں۔''

''اس کی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔''

''تم اتنے یقین کے ساتھ کیسے کہہ سکتے ہو۔''

''چھٹی حس کا معاملہ ہے۔'' حمید نے طویل سانس لے کر کہا۔

وہ پھر وہیں واپس آ گئے جہاں آصف کو چھوڑ گئے تھے اور انور نے اُس سے کہا۔

''گاڑیاں یہیں چھوڑ کر کم از کم دو فرلانگ آگے چلتے ہیں۔''

''ایک بار پھر سوچ لو۔'' آصف نے تذبذب کے عالم میں کہا۔

''یہاں پہنچ کر کچھ اور سوچنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

وہ آگے بڑھ گئے۔ دن ڈھلنے لگا تھا اور اُن کی پرچھائیاں آگے پڑ رہی تھیں۔

معینہ فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ رک گئے۔ انور اور حمید کا درمیانی فاصلہ سات یا آٹھ گز رہا ہوگا۔

''اے میرے ہمزاد حاضر ہو۔'' انور نے کسی قدر اونچی آواز میں کہا۔

حمید نے اپنی جگہ پر یہی الفاظ دہرائے۔ آصف کی نظریں اُن کی پرچھائیوں پر تھیں۔ کچھ دیر بعد پرچھائیوں میں جنبش ہوئی اور ان میں سے دوسری پرچھائیاں نکل کر اُن کے قریب ہی جم گئیں۔ آصف کی سانس پھولنے لگی اور ٹانگوں میں اضطراری کپکپاہٹ محسوس کرنے لگا۔

پھر اُن دونوں نے اپنی اپنی پرچھائیوں کو حکم دیا کہ وہ ایک دوسری سے سو گز کے فاصلے پر چلی جائیں۔

پرچھائیوں میں پھر حرکت ہوئی اور وہ بتایا ہوا فاصلہ قائم کرنے کے لئے ایک دوسرے سے دور ہونے لگیں۔

''دو منٹ بعد تم دوسری پرچھائیں سے ٹکرا جانا۔'' انور نے اپنی پرچھائیں کی طرف ہاتھ اُٹھا کر کہا۔

''اور جب وہ تم سے ٹکرائے تو تم اُسے فنا کر دینا۔'' حمید نے اپنے ہمزاد کو ہدایت دی۔

''بھاگو مسٹر آصف۔'' انور نے آصف سے کہا اور گاڑیوں کی طرف دوڑ لگا دی۔
وہ تینوں ہی گاڑیوں کی جانب دوڑے جا رہے تھے۔ آصف اُن کے پیچھے تھا اور انور کو بُرا بھلا کہے جا رہا تھا۔

ابھی گاڑیوں تک پہنچے بھی نہیں تھے کہ ایک زبردست دھماکا ہوا۔ زمین ہل کر رہ گئی اور وہ اوندھے منہ نیچے جا پڑے اور پھر پے در پے دھماکوں پر دھماکے ہوتے چلے گئے۔
کیا یہ پرچھائیوں کے ٹکراؤ کا نتیجہ تھا۔ زمین سے فضا میں غبار کے مرغولے اُٹھ رہے تھے اور اسی غبار کے اندر بجلیوں کی دولہریں تڑپ تڑپ کر ایک دوسری پر گر رہی تھیں اور دھماکے ہو رہے تھے۔

''بھاگو۔'' انور زور سے چیخا اور اُٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ گرتے گرتے وہ پھر بھاگے۔ دفعتاً انور کو آصف کا خیال آیا۔ وہ پلٹا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹنے لگا۔
پتا نہیں کس طرح وہ گاڑی تک پہنچے تھے۔ دھماکے اب بھی ہو رہے تھے لیکن اب اُن میں پہلی سی گونج اور گرج نہیں رہی تھی۔ غبار سے پورا میدان تاریک ہو گیا۔
انور کو ہوش نہیں کہ کس طرح اُس نے آصف کو گھسیٹ کر گاڑی میں ٹھونسا تھا اور انجن اسٹارٹ کر کے آندھی اور طوفان کی طرح وہاں سے روانہ ہو گیا تھا۔ سڑک پر پہنچ کر اُسے حمید کا خیال آیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا اس کی گاڑی پیچھے نہ دکھائی دی۔ البتہ ایسا لگتا تھا جیسے میدان سے اُٹھنے والا غبار اُس کی گاڑی کا تعاقب کر رہا ہو۔ اُس نے ایکسیلریٹر پر مزید دباؤ ڈالا اور گاڑی کی رفتار بڑھ گئی۔ آصف دم سادھے پچھلی سیٹ پر پڑا رہا۔ پتا نہیں یونہی آنکھیں بند کر رکھی تھیں یا سچ مچ اُس پر غشی طاری ہو گئی تھی۔

کیپٹن حمید تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اُس پرچھائیں بازی کا ایسا کوئی نتیجہ برآمد ہو گا۔ بڑی دشواریوں سے اپنی گاڑی تک پہنچ سکا تھا۔ لیکن اُسے وہاں آصف کی گاڑی نہیں دکھائی دی تھی۔ مڑ کر دیکھا تو غبار کا ریلہ اُسی طرف بڑھتا نظر آیا۔ چھلانگ مار کر ڈرائیونگ سیٹ پر

بیٹھا اور بھاگ نکلا۔ لیکن اُس کی جیپ کا رخ سڑک کی جانب نہیں تھا۔ مارا مارا نکلا چلا گیا۔ اس طرح وہ کچے ہی راستے سے تارجام والی سڑک پر جانکلا۔ پتا نہیں انور اور آصف کا کیا حشر ہوا ہو۔ لیکن اب وہ واپسی کا خطرہ نہیں مول لے سکتا تھا۔ کیا بچکانہ اور احمقانہ حرکت سرزد ہوئی تھی اور وہ انور جو افلاطون کا بھتیجا بنا پھرتا ہے اُس کی عقل پر بھی پتھر پڑ گئے تھے کہ اس کی تجویز سے بالآخر اتفاق کر بیٹھا۔

پتا نہیں اس حرکت کا کیا انجام ہو لیکن آخر وہ آصف کو اپنے ساتھ کیوں لایا تھا اور کیا بعد میں اُس نے اُسے بتا دیا ہوگا کہ کریم الدین حقیقتاً کون تھا۔ حمید الجھن میں پڑ گیا۔ ویسے انور نے اُسے میک اپ میں دیکھ کر اندازہ کرلیا تھا کہ وہ اپنی اصلیت ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ اسی لئے اُس کا تعارف کریم الدین کے نام سے کرایا تھا۔ وہ اس سے یہ بھی نہ پوچھ سکا تھا کہ آخر آصف کو ساتھ لانے کا مقصد کیا تھا اور اب اس واقعے کے بعد آصف کا رویہ اُس کے ساتھ کیا ہوگا۔ غالباً انور مزید دشواری میں پڑ گیا ہوگا۔ وہ سوچتا رہا حتیٰ کہ پھر اُن دونوں پرچھائیوں کا ٹکراؤ یاد آ گیا۔ کیسے خوفناک دھماکے تھے اور کتنا کثیف غبار تھا جس نے پورے میدان کو ڈھانپ لیا تھا لیکن کیا اس کی پرچھائیں وہیں رہ گئی ہوگی۔ اوہ پتا نہیں کیا ہوا ہو۔ ویسے ابھی تک خود اُسے اس پرچھائیں سے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ پہلی بار اُس نے اُسے ایک ہیجانی رقص پر ضرور مجبور کر دیا تھا۔ لیکن اتنا فاصلہ ہر حال میں برقرار رکھا تھا کہ اُسے کوئی گزند نہ پہنچ سکتا۔ پھر وہ بیہوش ہوگیا تھا اور جیروم کے بیان کے مطابق اس کے گرنے سے قبل ہی وہ پرچھائیں اُس کی اپنی پرچھائیں میں ضم ہوگئی تھی اور بیہوشی بھی زیادہ دیر تک قائم نہیں رہی تھی۔ پھر وہ کسی نہ کسی طرح شہر تک پہنچے تھے اور جیروم اُسے ایک عمارت کے فلیٹ میں لے گیا تھا جس کے بارے میں اس نے اُسے بتایا تھا کہ وہ اُس کے ایک دوست کا ہے جو کچھ دنوں کے لئے شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔ فلیٹ کی کنجی اس نے نچلی منزل کے ایک دوکاندار سے حاصل کی تھی۔ جیروم سے متعلق اس کے احساسات کچھ عجیب سے تھے۔ کبھی اُس پر غصہ آتا اور کبھی اس شدت سے رحم آتا کہ زندگی بھر ساتھ رکھنے کا تہیہ کرنے لگتا۔

بہرحال شہر پہنچ کر اُس نے سوچا کہ ٹرانسمیٹر پر فریدی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی جائے لیکن پھر اس خیال نے اس سے باز رکھا کہ ٹرانسمیٹر کچھ دیر دشمنوں کی تحویل میں بھی رہ

چکا ہے اس کی بجائے اُس نے آواز بدل کر فون پر اپنے محکمے سے رابطہ قائم کیا تھا۔

''نہیں جناب۔'' دوسری طرف سے آواز آئی تھی۔ ''کرنل صاحب تشریف نہیں رکھتے۔''

''ڈاکٹر زیٹو کے لئے کوئی پیغام۔'' حمید نے پوچھا تھا۔

''نہیں جناب۔''

غرض کہ اس وقت سے اب تک فریدی سے گفتگو نہیں ہوسکی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ دیکھئے اب کیا ہو۔ تارجام والی سڑک کے اُس چوراہے کے قریب اُس نے گاڑی روک دی جو نیشنل ہائی وے سے مل کر بنا تھا۔ یہاں سے بائیں جانب مڑ کر وہ دوبارہ شہر کی راہ لگ سکتا تھا۔ دراصل یہی سوچنے کے لئے وہ وہاں رکا تھا کہ اُسے تارجام جانا چاہئے یا پھر شہر واپس جائے۔ آخر یہی مناسب معلوم ہوا کہ شہر ہی کا رخ کیا جائے۔ آخر یہ بھی تو معلوم کرنا تھا کہ انور پر کیا گزری۔

نیشنل ہائے وے پر ٹریفک حسب معمول تھا۔ حمید اپنی گاڑی موڑنے ہی والا تھا کہ ایک اور گاڑی اُس کے پیچھے آرکی۔ حمید نے مڑ کر دیکھا اُس میں کئی آدمی تھے اور حمید نے محسوس کیا جیسے ان میں سے ایک نے اُسے کوئی اشارہ کیا ہو اور پھر اُس نے اُسے گاڑی سے اُترتے بھی دیکھا۔ وہ لنگڑاتا ہوا اُس کی گاڑی کی طرف آرہا تھا۔ اُس کے چہرے پر ایسا ہی تاثر تھا جیسے وہ اس سے کچھ کہنا چاہتا ہو۔

''جناب عالی!'' وہ اُس کے قریب پہنچ کر بولا۔ ''اگر آپ شہر کی طرف جارہے ہوں اور اس میں کوئی ہرج نہ ہو تو مجھے لفٹ دے دیجئے۔''

حمید نے اُسے غور سے دیکھا اور بڑی لاپرواہی سے اشارہ کیا کہ وہ دوسری طرف سے آکر اُس کے برابر بیٹھ جائے۔ وہ شکریہ ادا کر کے دوسری طرف والے دروازے سے اُسکے برابر بیٹھ گیا اور بولا۔ ''ان شریف آدمیوں نے ازراہِ عنایت یہاں تک کیلئے لفٹ دی تھی۔''

حمید نے کچھ کہے بغیر گاڑی شہر کی طرف موڑ دی اور خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا۔ ویسے وہ اس اجنبی کے بارے میں کسی شبہے میں مبتلا نہیں تھا۔ کیونکہ بارہا ایسے افراد کو لفٹ دے چکا تھا جو مختلف لوگوں سے لفٹ لیتے ہوئے بالآخر منزل مقصود پر پہنچ جاتے ہیں۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ خدا کرے مغز چاٹنے والا ثابت نہ ہو۔ تھوڑی دیر بعد اجنبی نے کراہنا شروع کر دیا۔

''کیا بات ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''میں بہت بیمار ہوں جناب...... اچانک ٹانگ میں درد کا دورہ پڑتا ہے۔ اوہ...... اوف......!'' اُس نے آنکھیں بند کر کے گردن ایک طرف ڈال دی۔

حمید نے گاڑی سڑک کے نیچے اُتار کر انجن بند کر دیا۔ پہلے اجنبی کا شانہ ہلا کر اُسے آوازیں دیں پھر گردن سیدھی کر ہی رہا تھا کہ اجنبی کا ہاتھ اُس کی کنپٹی پر پڑا۔ بڑی ہلکی سی ضرب تھی لیکن اس کو ایسا معلوم ہوا جیسے بینائی ہی رخصت ہوگئی ہو۔ سر پکڑے ہوئے اسٹیئرنگ پر ڈھیر ہوگیا۔ اجنبی بڑی پھرتی سے پیچھے ہٹا اور دروازہ کھول کر نیچے اُتر گیا۔

تھوڑی دیر بعد حمید اُسی کی جگہ پشت گاہ پر ڈھلکا پڑا تھا اور وہ خود جیپ ڈرائیو کر رہا تھا۔

کچھ دور چل کر اُس نے گاڑی پھر کچے میں اُتار دی اور کھیتوں کی طرف لیتا چلا گیا۔

لیکن جب حمید کو ہوش آیا تو جیپ میں اُس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا اور جیپ قد آدم جھاڑیوں کے درمیان کھڑی ہوئی تھی۔ وہ بوکھلا کر نیچے اُتر پڑا۔ تھوڑی دیر تک تو سمجھ ہی میں نہ آسکا کہ ہوا کیا۔ پھر جلدی جلدی جیبیں ٹٹولنے لگا۔ سب کچھ موجود تھا۔ پرس نکال کر رقم شمار کی۔ ایک روپیہ بھی غائب نہیں ہوا تھا۔ ٹرانسمیٹر بھی موجود تھا۔ ہولسٹر میں بھی ریوالور کا وزن محسوس ہو رہا تھا لیکن جب وقت دیکھنے کے لئے کلائی پر نظر ڈالی تو گھڑی غائب تھی۔ تو کیا وہ صرف گھڑی لے گیا۔ نہیں پتا نہیں کیا چکر ہے۔ ہوسکتا ہے گھڑی کہیں گر گئی ہو۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کوئی رہزن نقد رقوم کو چھوڑ کر محض گھڑی پر اکتفاء کرے۔ لیکن پھر اُس نے ایسی حرکت کیوں کی؟ اس کا کیا مقصد تھا؟

حمید نے انجن اسٹارٹ کیا۔ جیپ جھاڑیوں سے نکل کر پھر کھلے میں آ گئی۔ شام ہو رہی تھی......تو گویا وہ دو گھنٹے تک بے ہوش رہا تھا۔

سڑک پر پہنچ کر فوری طور پر اندازہ نہ ہوسکا کہ وہ کہاں ہے اور اُسے کس سمت جانا چاہئے۔ ذہن پر ابھی تک دھندسی چھائی ہوئی تھی۔ خاصی دیر بعد شہر کی سمت کا تعین کرسکا تھا اور پھر اُس نے فیصلہ کیا کہ شہر پہنچ کر سب سے پہلے انورہی کی طرف جائے گا۔

آدھے گھنٹے بعد شہر پہنچا تو بوکھلا کر رہ گیا۔ سڑکوں کی لائٹیں قبل از وقت جلادی گئی تھیں کیونکہ شہر کے بیشتر حصے پر غبار چھایا ہوا تھا۔ گویا جھریالی والے غبار نے شہر پر یلغار کر دی تھی۔

اچانک اُسے پھر خیال آیا کہ آصف انور کے ساتھ تھا۔ پتا نہیں اب انور کس پوزیشن میں ہوگا۔ لہٰذا اسکی طرف جانے کی بجائے پہلے فون پر حالات سے آگاہی حاصل کر لینی چاہئے۔

اُس غبار سے متعلق شہر میں سراسیمگی پائی جاتی تھی کیونکہ محکمہ موسمیات اُس کے بارے میں کچھ بتانے سے قاصر تھا۔ حمید نے گاڑی ایک ڈرگ اسٹور کے سامنے روکی اور وہیں کے فون پر انور سے رابطہ قائم کیا۔ جواب ملنے میں دیر نہیں لگی تھی۔ انور نے کہا۔ ''میں تو سمجھا تھا کہ تم شائد کام آ گئے۔''

''تمہاری زندگی میں میری موت ناممکن ہے۔'' حمید بھنا کر بولا۔

''یہیں آ جاؤ۔'' انور کی آواز آئی۔

''کیا یہ ضروری ہے۔ میں تو صرف یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کہیں بڈھے نے تمہیں بند تو نہیں کر دیا۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کیونکہ وہ اس حماقت میں برابر کا شریک تھا۔ اس سلسلے میں سختی سے ہونٹ بند رکھنے کی ہدایت دے گیا ہے۔ تم فوراً آ جاؤ بے حد ضروری ہے۔''

''میں آ رہا ہوں۔'' حمید طویل سانس لے کر بولا اور رابطہ منقطع کر دیا۔

اب اسکی جیپ انور کی قیام گاہ کی طرف جا رہی تھی۔ غبار اتنا گہرا تھا کہ ساری گاڑیوں کے ہیڈ لیمپس ابھی سے روشن ہو گئے تھے۔

انور اپنے فلیٹ میں تنہا ملا اور حمید کو بغور دیکھتا ہوا بولا۔ ''تمہاری آنکھوں سے خاصی پریشانی کا اظہار ہو رہا ہے۔''

''کسی دعوت سے میری واپسی نہیں ہوئی ہے۔''

''تمہاری حماقت کی بناء پر سب کچھ ہوا!''

''فضول باتیں مت کرو۔ یہ بتاؤ کیوں بلایا ہے۔''

انور نے اس کی طرف ایک لفافہ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''کچھ دیر پہلے کی بات ہے کوئی یہ لفافہ دروازے کے نیچے سے کمرے میں سرکا گیا تھا۔ اس پر تمہارا نام تحریر ہے۔''

حمید نے تحریر پر نظر ڈالی اور اُس کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ فریدی کئی قسم کے انداز تحریر اختیار کر سکتا تھا اور یہ انہی میں سے ایک تھا۔ لفافے سے برآمد ہونے والے پرچے کی

تحریر کوڈ ورڈز میں تھی اور یہ کوڈ بھی فریدی ہی کا ایجاد کردہ تھا۔ جسے اُس نے صرف حمید کی ذات تک محدود رکھا تھا۔

''کیا تم نے کچھ دیر دوسرے کمرے میں بیٹھ سکو گے۔'' حمید نے انور سے پوچھا۔

''ضرور......ضرور......!'' وہ اُسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

''کاغذ اور پنسل بھی چاہئے۔''

''میز پر موجود ہیں۔'' انور کہتا ہوا دوسرے کمرے میں چلا گیا اور حمید پیغام کو ڈی کوڈ کرنے لگا۔

''حماقتیں کرتے پھر رہے ہو۔ خیر آج ٹھیک گیارہ بجے پرنس اسٹریٹ کے ٹیلی فون بوتھ کے قریب موجود رہنا۔ سبز رنگ کی کورونا مارک ٹو جس کا رجسٹریشن نمبر ایکس تھری سکس نائین ٹو ہوگا۔ تمہیں وہاں سے کہیں لے جائے گی۔ پاسورڈ بلیک کیٹ۔''

حمید نے جیب سے سگریٹ لائٹر نکالا اور دونوں پرچوں کو نذر آتش کر دیا اور اُن کی راکھ ایش ٹرے میں ڈال کر اُٹھتے ہوئے انور کو آواز دی۔ انور واپس آ گیا۔ ٹٹولنے والی نظروں سے حمید کو دیکھے جا رہا تھا۔ ''اس طرح مت دیکھو میں کچھ نہیں جانتا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔'' حمید بولا۔

''ہوسکتا ہے تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن میں تمہیں ایک خطرے سے آگاہ کر دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔'' انور نے خشک لہجے میں کہا۔

''آگاہ ضرور کر دو۔''

انور طویل سانس لے کر بولا۔ ''میں زندہ رہنا چاہتا ہوں اس لئے میں نے وہی کیا جو مجرم چاہتے تھے۔ یعنی اپنی رپورٹ اُسی طرح لکھی جس طرح انہوں نے چاہا۔''

''وہ تو ہم دیکھ ہی چکے ہیں۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔

''لیکن شاید تم اُس کا مطلب نہیں سمجھے۔''

''بالکل سمجھا ہوں۔ تم یہی کہنا چاہتے ہو نا کہ اگر پرچھائیوں نے شہر میں توڑ پھوڑ مچائی تو لوگ یہی چاہیں گے کہ کرنل کو پکڑ کر مجرموں کے حوالے کر دیا جائے۔''

''میں یہی کہنا چاہتا تھا۔''

''لیکن میں اس سلسلے میں کیا کرسکتا ہوں۔ یقین کرو میں اُن لوگوں میں سے ہرگز نہ ہوں گا جو یہ چاہیں گے۔ خواہ ساری دنیا تباہ ہو جائے۔''

''سوال تو یہ ہے کہ وہ محض کرنل کے لئے اس حد تک کیوں جائیں گے۔''

''میرے پاس فی الحال اس کا کوئی جواب نہیں۔''

''ویسے سوچنے کی بات ضرور ہے۔'' انور نے پر تشویش لہجے میں کہا۔ ''کیا اُنہیں صرف ایک فرد واحد سے خطرہ ہے اور کس قسم کا خطرہ۔ پر چھائیوں کے مسئلے کو راز ہی میں رکھنے کے لئے وہ لوگ میدان عمل میں آئے تھے لیکن اب خود ہی پر چھائیوں کی پبلسٹی بھی کر رہے ہیں اور کرنل کو تلاش بھی کر رہے ہیں۔''

''میرے لئے کوئی نیا سوال نہیں ہے۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔ ''میں بھی اسی مسئلے پر غور کرتا رہا ہوں۔''

''کس نتیجے پر پہنچے۔''

''نتیجے پر پہنچنا میرے فرائض میں شامل نہیں ہے میں تو صرف حکم کا غلام ہوں۔ جو کہا جاتا ہے کرتا رہتا ہوں۔''

''اب کیا کہا گیا ہے۔'' انور نے اُس ایش ٹرے کو گھورتے ہوئے پوچھا جس میں جلے ہوئے کاغذ کے ٹکڑے نظر آ رہے تھے۔

''قبض کشا گولیاں کھاؤ اور انتظار کرو۔''

''کیا تم کبھی سنجیدہ نہیں ہو سکتے۔''

''میں جس ڈکشنری سے استفادہ کرتا ہوں اُس میں سنجیدگی کے معنی ذہنی موت درج ہے۔''

انور بُرا سا منہ بنائے ہوئے دوسری طرف مڑ گیا اور حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔ ''اور کوئی بات؟''

''کچھ نہیں۔''

''اچھا شب بخیر۔'' کہتا ہوا حمید اُس کے فلیٹ سے نکل آیا۔ فضا اب بھی غبار آلود تھی لیکن غبار گہرا نہیں تھا۔ اُسے یہ بھی تو دیکھنا تھا کہ اُس کا تعاقب تو نہیں کیا جا رہا اور اس وقت یہ ایک مشکل کام تھا۔ شہر کی بھری پُری سڑکوں پر تو ناممکن ہی کہا جا سکتا تھا۔ گیارہ بجنے میں بھی

بہت دیر تھی۔ اُس نے ایک پٹرول پمپ سے جیپ کی ٹنکی بھروائی اور مٹر گشتی کے لئے چل پڑا۔ اس کا اندازہ کرنے کے لئے کہ تعاقب تو نہیں کیا جارہا شہری آبادی سے نکلنا چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد یہ خواہش بھی پوری ہوگئی۔ یعنی ایک ایسی سڑک پکڑلی جس سے دوسری کئی سڑکیں بھی مختلف جگہوں پر آملتی تھیں اور یہ سڑکیں زیادہ تر ویران رہتی تھیں۔ لہٰذا ان میں سے کسی پر بہ آسانی یہ معلوم کیا جاسکتا تھا کہ تعاقب تو نہیں کیا جارہا۔ کچھ دیر بعد یہ خدشہ درست ثابت ہوا۔ ایک گاڑی مسلسل پیچھے لگی رہی تھی۔

اس نے طویل سانس لی اور سوچنے لگا کہ اب کیا کیا جائے۔ اُسے ڈوج دیئے بغیر پرنس اسٹریٹ میں داخل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ تو پھر کہاں اور کس طرح اُسے ڈوج دیا جائے۔ پھر اسی مرحلے پر تعاقب کرنے والے کو یہ بھی باور کرانا ضروری تھا کہ وہ یونہی بلامقصد ڈرائیونگ نہیں کرتا پھر رہا۔ لہٰذا اُس نے ایک عمارت کے پھاٹک پر گاڑی روکی اور اُتر کر کال بل کا بٹن دبانے لگا۔ پچھلی گاڑی آگے نکلی چلی گئی لیکن اُس عمارت کے سامنے سے گزرتے وقت اُس کی رفتار کسی قدر کم ہوگئی تھی۔ پھاٹک کی ذیلی کھڑکی کھلی اور چوکیدار نے سر باہر نکال کر پوچھا۔ ''کون صاحب ہیں۔''

''کیا اسد فاروقی صاحب یہیں رہتے ہیں۔''

''جی نہیں صاحب۔'' جواب ملا۔

''اس کوٹھی کا نمبر کیا ہے؟''

''چھ سو باسٹھ جناب۔''

''اوہ...... غلطی ہوئی۔ پانچ سو باسٹھ نمبر کدھر ہوگا۔''

''دور تک جانا پڑے گا آپ کو۔'' وہ انگلیوں پر کچھ شمار کرتا ہوا بولا۔ اُدھر حمید نے محسوس کیا جیسے تعاقب کرنے والی گاڑی دوبارہ اُسی طرف پلٹ رہی ہے۔

''ایسا کیجئے جناب۔'' چوکیدار کھڑکی سے باہر نکل کر بولا۔ ''واپس جایئے اور پھر یہاں سے پانچویں گلی میں مڑ جایئے۔ پانچ سو باسٹھ نمبر اُدھر ہی ملے گا۔''

''بہت بہت شکریہ۔''

''کوئی بات نہیں جناب۔''

تعاقب کرنے والی گاڑی کچھ فاصلے پر رکی تھی اور اُس کے ہیڈ لیمپس بجھا دیئے گئے تھے۔ حمید نے جیپ کا انجن اسٹارٹ کیا اور واپسی کے لئے موڑنے لگا۔ دوسری گاڑی اب بھی تعاقب کررہی تھی۔ ہوسکتا تھا کہ تعاقب انور کے فلیٹ ہی سے شروع ہوا ہو۔ بہرحال اب اُسے فکر تھی کہ شہر پہنچ کر تعاقب کرنے والے کو کس طرح ڈوج دیا جائے۔ جلد ہی تدبیر بھی سوجھ گئی اور وہ مطمئن ہوگیا۔ خاصی تیز رفتاری سے شہر پہنچا تھا اور ایک گھنی آبادی والی پبلک لیووٹری کے سامنے جیپ روک کر اس طرح اُترا تھا جیسے بے اختیاری مین کچھ خطا ہو جانے کا خدشہ رہا ہو۔

اُسے علم تھا کہ راہداری کے دوسرے سرے پر بھی ایک دروازہ ہے جس سے گزر کر وہ دوسری طرف نکل سکے گا۔ پھر اُدھر کی متعدد تنگی پتلی گلیوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لینے میں دیر نہیں لگے گی۔ بڑی پھرتی سے اُس نے سارے مراحل طے کئے اور دوسری جانب کی پیچ در پیچ گلیوں میں گم ہوگیا۔

ٹھیک گیارہ بجے سبز رنگ کی کرولا مارک ٹو وہاں آرکی۔ حمید نے اُس کے رجسٹریشن نمبر دیکھے۔ وہی تھے جن کا حوالہ فریدی کی کوڈ تحریر میں دیا گیا تھا۔ وہ گاڑی کے قریب پہنچا۔

''پاسورڈ پلیز......!'' ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے آدمی نے پوچھا۔

''بلیک کیٹ۔''

''ہاپ ان پلیز......!''

حمید پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا اور گاڑی چل پڑی۔ اب اطمینان نصیب ہوا تھا۔ اُس نے پشت گاہ سے ٹک کر آنکھیں بند کرلیں اور اونگھنے لگا۔ پتا نہیں کتنی راتوں سے نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔ ذرا ہی سی دیر میں بے خبر ہوگیا۔ پھر جگایا گیا تو اندازہ لگانا مشکل تھا کہ کتنی دیر سویا ہوگا کیونکہ گھڑی تو تھی ہی نہیں۔ گاڑی ایک سنسان جگہ پر رکی تھی اور قریب ہی تاروں کی چھاؤں میں ایک چھوٹی سی عمارت کے آثار نظر آرہے تھے۔ ڈرائیور نے اُس سے اندر چلنے کو کہا اور اُس نے خاموشی سے تعمیل کی۔ ایک کمرے میں جہاں کیروسین لیمپ کی دھندلی روشنی پھیلی ہوئی تھی فریدی اُس کا منتظر تھا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔'' حمید آہستہ سے بولا۔

''لیٹ جاؤ اور دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دو۔'' فریدی نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''اس طرح طلبی کا مقصد۔''

''ایک تجربہ کرنا ہے۔''

''مجھ پر۔''

''براہِ راست تم پر تو نہیں لیکن تم اس کا ایک لازمی جزو ضرور بنو گے۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''بہت تھکے ہوئے معلوم ہوتے ہو۔ اس وقت سو جاؤ۔ صبح باتیں ہوں گی۔'' فریدی نے کہا۔

''آخر آپ کیا کرتے پھر رہے ہیں؟''

''فی الحال صرف تجربات۔''

''انور کی کہانی دیکھی۔''

''دیکھ چکا ہوں اور تم چاہو تو اپنی کہانی بھی اسی وقت سنا سکتے ہو۔''

''میری کون سی کہانی۔''

''یہی کہ تمہیں کب اور کہاں اُس پرچھائیں کا تجربہ ہوا تھا۔''

حمید نے طویل سانس لے کر بتانا شروع کیا کہ اُس پر اور جیروم پر کیا گزری تھی اور وہ کس طرح فرار ہونے میں کامیاب ہوئے تھے اور اُس کے بعد ہی وہ پرچھائیں اس کے ہمزاد کی حیثیت سے نمودار ہوئی تھی۔

''اور پھر تم دونوں نے جھریالی کے میدان میں پرچھائیں بازی کر ڈالی تھی۔'' فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''میں نے سوچا یہ تجربہ بھی سہی۔''

''جانتے ہو اُس کا کیا انجام ہوا۔''

''قطعی نہیں جانتا کیونکہ اُنہیں جھریالی میں چھوڑ کر خود بھاگ کھڑا ہوا تھا۔''

''وہاں کئی بڑے بڑے غار ہو گئے ہیں جن سے پانی اُبل پڑا ہے۔''

''محکمہ زراعت والے بغلیں بجائیں گے۔''

''اور شہر پر غبار بھی مسلط ہو گیا ہے۔'' فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ''تمہارا بچپن بھی کبھی نہیں جائے گا۔''

''بچپن تو بچوں کی تعداد رخصت کرتی ہے۔ یہاں سرے ہی سے اللہ کا فضل ہے۔''

''اچھا بکواس بند کرو اور دوسرے کمرے میں جا کر سو جاؤ۔''

''انور کو رپورٹ نہیں چھاپنی چاہئے تھی۔ اگر اب پرچھائیوں نے شہر میں توڑ پھوڑ مچائی تو بچہ بچہ آپ کا دشمن ہو جائے گا۔''

''مجبوری ہے۔'' فریدی خشک لہجے میں بولا۔ ''یہ کام اسی طرح بن سکتا ہے جس طرح میں کر رہا ہوں دوسری صورت میں اُس سے بھی زیادہ تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔''

''مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں محکمہ ہی آپ کے خلاف کوئی چارج لگا کر آپ کے وارنٹ گرفتاری نہ حاصل کر لے۔''

''کچھ بھی ہو۔'' فریدی نے لاپرواہی کے اظہار میں شانوں کو جنبش دی اور پھر دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ''سو جاؤ۔'' وہ چلا گیا اور حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے دوسرے دروازے کی طرف مڑا۔ دوبارہ بھی نیند جلد ہی آ ئی تھی۔ صبح تک بے خبر سوتا رہا۔ ناشتے کے لئے جگایا گیا تھا۔

عمارت میں کئی آدمی موجود تھے لیکن حمید نے اُن سے کسی قسم کی گفتگو کرنا مناسب نہ سمجھا۔ حتیٰ کہ کسی سے یہ بھی نہ پوچھا کہ فریدی کہاں ہے، ناشتے کے بعد ایک آدمی نے کہا۔

''اب آپ اپنا لباس تبدیل کر لیجئے۔''

''کہاں سے کرلوں۔ سوٹ کیس ساتھ نہیں لایا۔''

''لباس یہاں موجود ہے جناب۔''

اور وہ دہقانوں کا سا لباس تھا۔ سر پر اُلٹی سیدھی پگڑی بھی باندھنی پڑی۔ غالباً اب یہاں سے بھی کہیں اور جانا تھا لیکن سواری کے لئے کرونا مارک ٹو نہیں تھی۔ ایک بیل گاڑی دروازے پر کھڑی نظر آئی جس پر دو عدد دہقان پہلے سے موجود تھے۔ حمید بھی طوعاً و کرہاً اُن کے قریب ہی بیٹھ گیا اور بیل گاڑی چل پڑی۔ آخر یہ حضرت کرنا کیا چاہتے ہیں۔ وہ سوچتا رہا۔ آخر کس قسم کا تجربہ ہے جس کے لئے دہقان بننا ضروری ہو گیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد

چاروں طرف دھوپ پھیل گئی۔ مطلع صاف تھا۔ دھوپ دیکھ کر حمید کو پرچھائیں یاد آ گئی اور وہ سوچنے لگا کہیں کم بخت نمودار ہی نہ ہو جائے۔ تقریباً دو ڈھائی میل چل کر بیل گاڑی برگد کے ایک گھنے درخت کے سائے میں رک گئی اور حمید چاروں طرف دیکھنے لگا۔

''اب اس درخت پر چڑھ جایئے جناب۔'' دہقانوں میں سے ایک بولا۔

''کیوں چڑھ جاؤں۔ تمہارا دماغ تو نہیں الٹ گیا۔''

''نہیں جناب۔'' اُس نے بڑی سعادت مندی سے کہا۔

دفعتاً درخت کے اوپر سے آواز آئی۔'' کیوں بکواس کر رہے ہو۔ اوپر آ جاؤ۔''

فریدی کی آواز تھی۔ حمید کے تلوؤں سے لگی اور سر پر بجھی۔ منہ اوپر اُٹھا کر دیکھا۔ فریدی ایک بڑی سی مچان پر بیٹھا دکھائی دیا۔

''یہ پھل دار درخت بھی نہیں ہے پھر آپ اوپر کیا کر رہے ہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''وقت نہ ضائع کرو......آ جاؤ۔''

حمید نے جھلا کر جوتے اُتارے گاڑی سے کودا اور درخت پر چڑھنے لگا۔ مچان پر پہنچ کر اُس نے اُلوؤں کی طرح دیدے نچائے کیونکہ وہاں عجیب قسم کا سامان موجود تھا۔ سامان تو خیر عجیب نہیں تھا لیکن وہاں اُس کی موجودگی عجیب لگ رہی تھی۔ ایک طرف ایک بہت وزنی بیٹری رکھی ہوئی تھی اس کے ساتھ مائیکروفون بھی تھا۔ ایک جانب دوربین لگی ہوئی تھی۔ رائفل بھی نظر آئی۔ اس کے علاوہ ایک جگہ فیلڈ گلاسز بھی رکھے دکھائی دیئے۔

''اس تجربے کی تیاری رات بھر ہوتی رہی تھی۔'' فریدی بولا۔

''لیکن یہ بیل گاڑی کہاں جا رہی ہے۔ اُس پر میرے جوتے ہیں۔''

''پھر بکواس شروع کر دی۔ سنجیدگی اختیار کرو۔''

حمید نے مائیکروفون اور بیٹری کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔'' کیا درخت پر چڑھ کر چندہ مانگنے کا تجربہ ہے۔''

فریدی نے دوربین اٹھائی اور ایک جانب دیکھنے لگا اور حمید ہنس کر بولا۔'' میں سمجھ گیا۔ آس پاس کوئی سوئمنگ پول پایا جاتا ہے شاید آج کی گوپیاں تو دوربین ہی سے دیکھی جائیں گی۔''

''تم بکواس بند نہیں کرو گے۔'' فریدی نے آنکھوں پر سے دوربین ہٹاتے ہوئے کہا۔

''میں نے کہا تھا کہ تم اس تجربے کا لازمی جزو ہو۔''

''یعنی خود یہیں بیٹھے رہیں گے اور مجھے گوپیوں کے کپڑے چرالانے کے لئے بھیجیں گے۔ نہیں جناب۔ میں دورِ جدید میں اس قسم کا کوئی خطرہ مول لینے کو تیار نہیں۔ آج کل کی گوپیاں والدین سمیت سوئمنگ پول میں تیرتی ہیں۔''

''میں تمہیں اُٹھا کر نیچے پھینک دوں گا۔''

''اور میں اُنہیں بتا دوں گا کہ اصلی ماکھن چور صاحب درخت پر تشریف فرما ہیں۔''

فریدی نے اُس کی گردن دبوچ کر دوربین تھماتے ہوئے کہا۔ ''دیکھو......اُدھر دیکھو۔''

شاید ایک یا ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر ایک آدمی کھڑا نظر آیا جس کی پشت اُن کی جانب تھی۔ عمدہ قسم کا سوٹ پہن رکھا تھا اور سر پر فلٹ ہیٹ تھا۔ دور دور تک اس کے علاوہ اور کوئی نہ دکھائی دیا۔ حمید نے دوربین آنکھوں پر سے ہٹاتے ہوئے پوچھا۔ ''آپ کی تعریف۔

''پھر بتاؤں گا۔ اب تم سنو۔ ابھی میں یہ تار بیٹری سے اٹیچ کر دوں گا اور تم مائیک سے وہی الفاظ دہراؤ گے جو ہمزاد کو طلب کرنے کے لئے کہتے ہو۔''

''کک......کیا مطلب......!''

''اس بار ہمزاد کو مائیک کے ذریعے طلب کرو گے۔''

''تاکہ اس کی گونج دور دور تک سنائی دے۔'' حمید بولا۔ ''آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ میں وہ الفاظ بہت دھیمی آواز میں ادا کرتا ہوں۔''

''یہ تو اور بھی اچھا ہے۔ اتنی ہی دھیمی آواز میں بولنا اور ہاں جب میں بیٹری کے تار اٹیچ کروں تو تم بالکل خاموش رہو گے اور جب تک دوبارہ تار الگ نہ کر دوں کوئی فالتو بات نہیں کرو گے۔''

''یعنی آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب تک تار بیٹری سے لگے رہے صرف ہمزاد کو طلب کرنے ہی والا جملہ ادا کروں اور کچھ نہ بولوں۔''

''یہی بات ہے۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔

''آخر آپ کرنا کیا چاہتے ہیں۔''

''ابھی دیکھ لو گے۔''

''کہیں ویسی ہی کوئی حماقت آپ سے بھی نہ سرزد ہوجائے جیسی اُن پر چھائیوں کو لڑا کر مجھ سے ہوئی تھی۔''

''تم اس کی فکر نہ کرو۔''

''درخت سے کود کر بھاگنا میرے بس سے باہر ہوگا۔''

''اچھے بچوں کی طرح بحث مت کرو۔ اس کے بعد تمہیں کسی اچھے سے سوئمنگ پول پر لے چلوں گا۔'' فریدی چمکار کر بولا۔

حمید طویل سانس لے کر رہ گیا۔ ظاہر ہے جس تجربے کی تیاری رات بھر جاری رہی ہو اُسے محض دو چار باتوں سے کس طرح روکا جاسکتا۔ لہٰذا وہ تن بہ تقدیر ہو بیٹھا۔ لیکن آخر فریدی کرنا کیا چاہتا تھا۔ اس نے بیٹری سے تار اٹیچ کئے اور پھر حمید کو اشارہ کیا اور حمید مائیک کی طرف جھک کر معمول کے مطابق بولا۔ ''اے میرے ہمزاد حاضر ہو۔ اے میرے ہمزاد حاضر ہو۔'' فریدی نے پھر تار بیٹری سے الگ کردیا اور حمید نے ہنس کر کہا۔ ''اس کے لئے میرا دھوپ میں کھڑا ہونا بھی ضروری ہے۔''

فریدی نے دوربین اُٹھا کر اسی سمت دیکھنا شروع کردیا جہاں وہ نامعلوم آدمی کھڑا تھا۔ حمید کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ حمید بُرا سا منہ بنائے بیٹھا رہا۔ کئی منٹ گزر گئے۔ پھر اچانک اُس نے دوربین حمید کو تھما کر رائفل کی نال کے زاویئے کے مطابق اُسے اٹھا کر دیکھنے لگا۔ میدان میں کھڑے ہوئے آدمی کے عین سر پر فضا میں ایک سیاہ رنگ کی چڑیا معلق نظر آئی۔ کسی کنگ فشر کے سے انداز میں اُس کے ڈہنے بھی ہل رہے تھے۔ فریدی شاید اُسی پرندے کا نشانہ لے رہا تھا۔ حمید نے پھر دوربین اُسی آدمی کی طرف جھکائی جو اب بھی اُن ہی کی جانب پشت کئے کھڑا تھا۔ خدا کی پناہ۔ دو پرچھائیاں ایک شاید اُس کی اپنی اور دوسری وہ جو ہمزاد کہلاتی تھی۔ دونوں کسی قدر فاصلے سے ایک دوسری کے متوازی پڑرہی تھیں۔ اچانک فریدی نے فائر کیا۔ بجلی کا سا کڑکا ہوا اور ساتھ ہی کوندے کی لپک سے آنکھیں چندھیا گئیں۔ ادھر میدان میں کھڑا آدمی دھڑا دھڑ جل رہا تھا۔ دفعتاً فریدی نے حمید کا شانہ جھنجھوڑ کر کہا۔ ''اب بھاگو یہاں سے۔ ورنہ ہوسکتا ہے کہ تھوڑی دیر میں یہاں پرچھائیں ہی پرچھائیں نظر آئیں۔ تم دوربین اُٹھالو۔''

اس نے وہاں سے صرف رائفل اُٹھالی اور برگد کی جٹا تھام کر جھولتا ہوا نیچے کود گیا۔

حمید نے بھی اس کی تقلید کی لیکن تھوڑی ہی دور دوڑا تھا کہ جوتے یاد آ گئے۔

''خدا کیلئے ٹھہریئے۔'' وہ ہاتھ اُٹھا کر چیخا۔ ''ورنہ میرے تلوے زخمی ہو جائیں گے۔''

فریدی رک گیا۔ اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا۔

''میں ننگے پیر نہیں دوڑ سکتا۔'' حمید جھنجھلا کر بولا۔

''بس تھوڑی دور۔ ہم وہاں محفوظ ہوں گے۔'' فریدی نے کہا اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر پھر دوڑنے لگا۔ درختوں کے جھنڈ کے پیچھے ایک چھوٹا سا تالاب تھا۔ فریدی نے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''ہم یہیں ٹھہریں گے۔''

''آخر یہ سب کیا تھا۔'' حمید ہانپتا ہوا بولا۔ ''وہ بیچارہ کون تھا جو مفت میں مارا گیا۔''

''کوئی بھی نہیں۔ ڈمی تھی۔ کپڑے کا ایک مجسمہ۔'' فریدی تالاب کے کنارے بیٹھتا ہوا بولا۔ ''جس کی کلائی پر تمہاری گھڑی بندھی ہوئی تھی۔''

''کک...... کیا مطلب...... میری گھڑی۔''

''وہ میرا ہی آدمی تھا جس نے تمہاری گھڑی حاصل کرنے کے لئے تم سے تارجام والی سڑک پر لفٹ لی تھی۔''

''اس کی ضرورت ہی کیا تھی۔ آپ ویسے ہی منگوا بھیجتے۔''

''انہیں علم ہو جاتا۔''

''میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا۔''

''ہمزاد تمہاری گھڑی میں بند تھا۔ فی الحال اتنا ہی سمجھ لو جس مائیک کے ذریعے تم نے اس وقت ہمزاد کو طلب کیا تھا اُس کا اسپیکر اُس ڈمی کے ساتھ تھا۔ لہٰذا تمہاری ہی آواز جب اُس گھڑی کے توسط سے اُن لوگوں تک پہنچی تو اُنہوں نے وہ فلائنگ کنٹرول روانہ کر دیا جسے میں نے فائر کر کے تباہ کیا تھا۔''

''فف...... فلائنگ کنٹرول۔''

''فلائنگ کنٹرول جو خود لاسلکی سے کنٹرول کیا جاتا ہے۔ تمہاری گھڑی میں کوئی ایسی

لئے ریسیور کا کام بھی کرتی تھی۔ یعنی پرندہ نما فلائنگ کنٹرول ٹھیک اُسی کی طرف آتا تھا۔"

"خدا کی پناہ۔" لیکن میری گھڑی تک اُس ڈیوائیس کی رسائی کیسے ہوئی۔

"سامنے کی بات ہے۔ تم اسی لئے پکڑے گئے تھے کہ ایک عدد ہمزاد کے مالک بنا دیئے جاؤ ورنہ اتنی آسانی سے فرار نہ ہو سکتے۔ وہ محض ڈراما تھا۔"

"میں بھی اس مسئلے پر مطمئن نہیں تھا۔ آخر انہوں نے جیروم کو بھی میری ہی طرح دوسرے ستون سے کیوں نہیں جکڑ دیا تھا۔ غالباً اسی لئے کہ میں اپنی رہائی کے لئے اُس کے دانتوں سے کام لے سکوں لیکن ٹھہریئے۔ آخر اس وقت آپ کی بلیک فورس کے آدمی کہاں تھے جب اُن لوگوں نے ہمیں پکڑا تھا۔"

"محض اتفاق تھا کہ وہ لوگ اُسی وقت اپنا کام کر گئے جب تمہاری نگرانی کرنے والا تھوڑی دیر کے لئے عمارت کے قریب سے ہٹ گیا تھا۔ اُسے اطمینان تھا کہ تم عمارت کے اندر موجود ہو۔ لیکن جھریالی کے میدان میں تم پر نظر رکھی گئی تھی۔ مغرب کی طرف والے ٹیلوں پر میرے آدمی موجود تھے اور تم لوگوں کا دوربینی جائزہ لیا جاتا رہا تھا۔ اُس کے بعد ہی میں نے تمہاری کلائی سے گھڑی اُتروالی تھی۔ اس طرح حیران ہو کر نہ دیکھو۔ اس سے پہلے بھی ایسے ہی ایک کیس سے میرا سابقہ پڑ چکا ہے۔ ورنہ اتنی تیزی سے اس نتیجے پر نہ پہنچ سکتا کہ وہ ڈیوائس گھڑی ہی میں چھپائی گئی ہوگی۔"

"بہرحال یہ کہنا چاہئے کہ اُن پرچھائیوں کو تباہ بھی کیا جا سکتا ہے۔" حمید طویل سانس لے کر بولا۔

"لیکن یہ کیسے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ پرچھائیں کب اور کہاں نمودار ہونے والی ہے۔ جتنی دیر میں اُس کا سراغ ملے گا وہ خاصی تباہی لا چکی ہوگی۔ فی الحال میں صرف دو ایسے افراد کو جانتا ہوں جن سے یہ ہمزاد چمٹا ہوا ہے۔ اُنہی پر نظر رکھی جا سکتی ہے۔"

"دو کون......؟"

"ہے ایک آدمی انور کے علاوہ۔"

"اب آیئے جیروم کی طرف۔ وہ میری جان کو چمٹ گیا ہے۔" حمید نے کہا اور جیروم کے بارے میں بتانے لگا کہ وہ کسی طرح بھی اُس کا پیچھا چھوڑنے پر تیار نہیں۔

''میں سمجھتا ہوں۔'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''اُسے الجھائے رکھو۔''

''مجھے تو وہ بھی فراڈ معلوم ہونے لگا ہے۔ اب آپ کے توجہ دلانے پر یاد آیا کہ فرار کے لئے اُسی نے وہ جگہ دکھائی تھی جہاں سے ہم بہ آسانی نقب لگا سکتے تھے۔''

''کچھ بھی ہو اُسے الجھائے رکھو۔''

''اور جوڈ۔تھ گراہم کے بارے میں کیا خیال ہے۔''

''اُسے بھی اُس کے حال پر چھوڑو۔ فی الحال میں ان پرچھائیوں کے علاوہ اور کسی مسئلے پر غور نہیں کرسکتا۔ پوری طرح ہوشیار رہو۔ ہوسکتا ہے اب پرچھائیاں دکھائی ہی نہ دیں اور تباہ کاری شروع ہوجائے۔ جھریالی کے میدان میں جو کچھ بھی ہوا تھا اسی کی طرف اشارہ کررہا ہے۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''فی الحال پرچھائیں اُس پرندہ نما کنٹرول کی علامت ہے۔ پرچھائیں دیکھ کر ہی میں نے اُسے فضا میں تلاش کیا تھا۔ ورنہ عام حالات میں اُس کی طرف توجہ بھی نہ دیتا کیونکہ بلندی پر وہ صرف ایک معمولی سا پرندہ لگتا ہے۔ بہرحال وہ اس علامت کو غائب کرسکتے ہیں تاکہ اُس کی نشاندہی نہ ہوسکے اور وہ اپنا کام کرتا چلا جائے۔ میری دانست میں پرچھائیں محض دکھاوا ہے۔''

''شاید وہ اسی لئے آپ پر ہاتھ ڈالنا چاہتے تھے کہ آپ پرچھائیں کا معمہ حل کرلیں گے۔''

''بچوں کی سی باتیں نہ کرو۔ کوئی بھی سوچتا ہوا ذہن فلائینگ کنٹرول تک پہنچ سکتا تھا۔ یہ ایسا کوئی پیچیدہ مسئلہ نہیں ہے۔ محض اتنی سی بات کے لئے وہ مجھ پر قابو پانا چاہتے ہیں۔ یہ میں سوچ بھی نہیں سکتا کوئی اور چکر ہے۔'' فریدی نے کہا اور کسی سوچ میں گم ہوگیا۔ پھر حمید کو وہ بیل گاڑی تالاب ہی کی طرف آتی دکھائی دی جس پر اُس کے جوتے رہ گئے تھے۔ وہ طویل سانس لے کر بولا۔ ''سب کچھ ہے میرے جوتے کی نوک پر۔ میں اب اپنے ذہن کو بالکل آزاد چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔ آپ ہی سوچے جایئے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ حقیقتاً کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

ختم شد